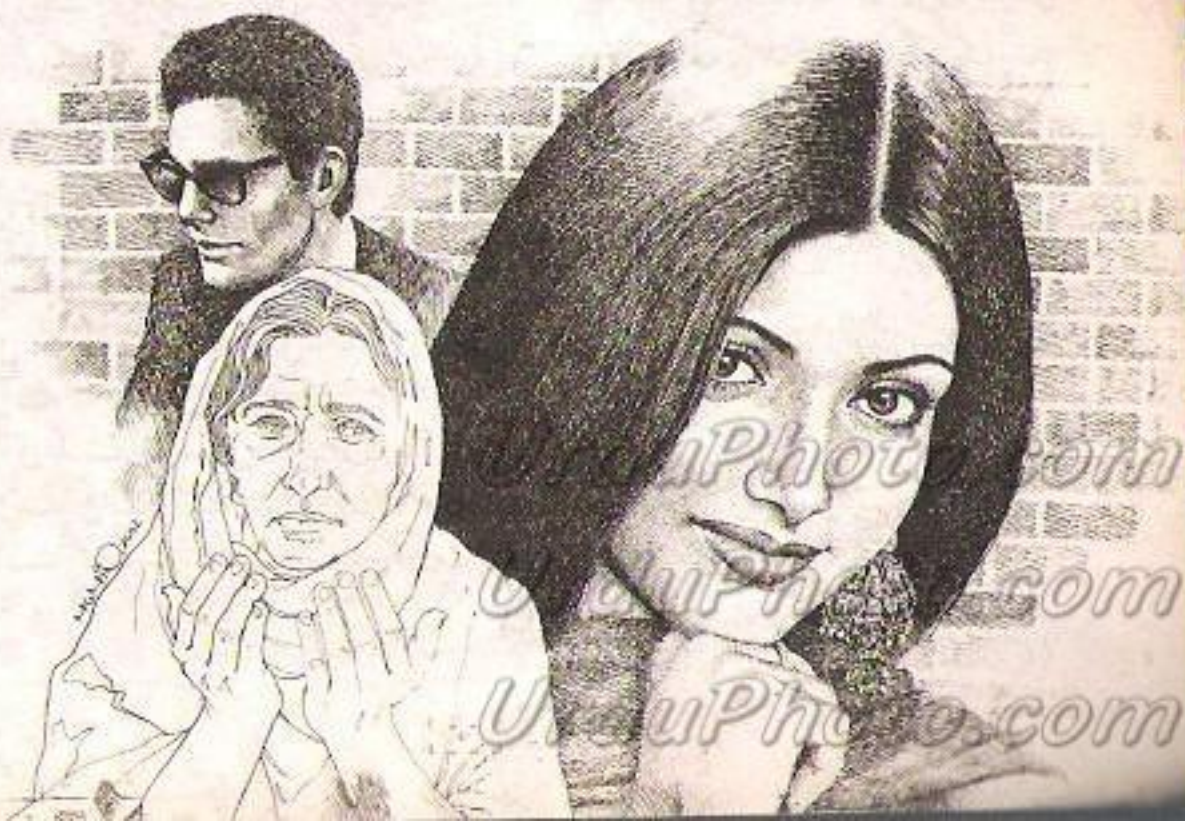


الکثیر من النعم من غیر حساب

”ہاں رے سبحان! میں نے بھی اخبار میں پڑھا تو تھا۔“ دادی کو بھی اچانک یاد آگیا۔
 ”آپ اخبار کب سے پڑھنے لگی ہیں؟ اور جو میں کہوں دادی! سر میں بڑی خارش ہو رہی ہے۔ ذرا دیکھیں، جو میں تو نہیں پڑھیں۔ فوراً“ فرمایا جاتا ہے اے بچے! اب اتنی نظر کمال رہی ہے۔ اور اخبار پڑھتے کچھ نہیں ہوتا حالانکہ اس کے الفاظ جو وہ سبھی زیادہ باریک ہوتے ہیں۔“ سبحان سے چھوٹے حیان نے زبردست گلہ کیا تھا۔
 ”بس شروع ہو جایا کرو تم لوگ، یہ کوئی جگہ ہے

اندر چلیے خواتین! رسم مندی سڑک پر نہیں، بلکہ گھر پر ادا کرنے کا پروگرام طے پایا ہے۔“
 ”بکو مست پتا ہے ہمیں بھی نہیں تو یہ سجاوٹ دیکھ کر رک گئی تھی۔ کتنا پیسہ آگیا ہے ہدایت اللہ کے پاس۔ گھر تو گھر آس پاس کی جگہ پر بھی سجاوٹ کر رکھی ہے۔“ دادی ایک ہاتھ سے عینک سنبھالے گردن گھما گھما کر جائزہ لے رہی تھیں۔
 ”میں نے تو سنا تھا خالہ! اب ان برقی قمقموں سے سجاوٹ پر پابندی لگ گئی ہے۔“ ان کی بہو کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا۔

مکمل ناول



گلے شکوے کرنے کی۔ سب مہمان اندر جارہے ہیں اور تم یہاں اپنا رونا لے کر بیٹھ گئے ہو۔“

ماں نے حیان کو ڈانٹا پھر ساس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔
”جلے خالہ! آپ تو آئیں۔“ ساتھ ہی بیٹی کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔

”امی! میں نے کہا بھی تھا میں نہیں جاؤں گی، مگر آپ میری سستی کہاں ہیں، دیکھ لیجئے۔ لڑکیاں کتنے خوبصورت اور قیمتی کپڑے پہن کر آتی ہیں اور میرا یہ سوٹ۔۔۔“ سہامہ مہمانوں کا جائزہ لینے کے بعد اب رونے کو تھکی۔

”ہمیشہ دوسروں کو دیکھ کر جلنا کڑھنا“ ارے ہم دونوں شیرجوانوں کو بھی دیکھو۔ کپڑے اس ڈر سے دبا کر استری نہیں کرتے کہ کہیں پھٹ پھٹا ہی نہ جائیں۔ مگر اعتماد ہے کہ اللہ اللہ۔ دوسروں کو یوں دیکھتے ہیں جیسے

انہوں نے یہ قیمتی کپڑے ہم سے ہی ادھار لے کر بنوائے ہیں تم بھی اپنے اندر یہ خصوصیت پیدا کرو۔“ حیات کی بات سے مکمل اتفاق کرتے سبحان نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔

”ویسے وہ دن بھی دور نہیں، جب ہمارے پاس دولت کی ریل پیل ہوگی اور تمہارے لیے سب سے بڑی مشکل یہ ہوگی کہ ہزاروں جوڑوں میں سے تقریب کے لیے کس کا انتخاب کروں۔“

”ہاں بالکل بالکل۔“ حیان کا یقین بھی مستقبل کے بارے میں بھائی جیسا ہی تھا۔

باتیں کرتے یہ لوگ گھر کے گیٹ تک پہنچ گئے۔ دروازے پر ہی چچا ہدایت اللہ (وہ ابو کے بھی ماموں زاد اور امی کے بھی ماموں زاد ہوتے تھے) حیان انہیں چچا ہدایت اللہ اور سبحان ماموں ہدایت اللہ کہتا تھا۔ داوی سب سے آگے تھیں۔

”ہدایت اللہ صاحب اور برابر میں کھڑی امی کی بیگم نے داوی سے لے کر ان سب کے لباس کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا، کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا، پھر یہ نہیں کیا

خیال آیا کہ بند کر لیا۔

”اندرا چلیے آپ لوگ۔“ ہدایت اللہ کا انداز جلد بھرا تھا۔ شرمندگی سے پر، یقیناً ”یہ خطرہ ہو گا اگر اس وقت لڑکے والے مندی لے کر آگئے تو ایسے رشتہ داروں کو دیکھ کر کیا سوچیں گے۔ ان کے اس انداز

داوی کو اداسی اور امی کو شرمندگی اور مایوسی نے گھیر لیا۔ ”کیا ہے نئی بات کیا ہوئی۔ عرصہ ہوا اب لوگ ہم سے ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔“ سبحان کا انداز لا پرواہی لیے ہوئے تھا۔

”جب تمہارا باپ زندہ تھا تب۔۔۔“
”ہاں یاد ہے، ہمیں تب ہم بھی باعزت تھے۔ شرفاء میں شمار ہوتے تھے۔ جلے جلدی سے چل کر مناسب نشستوں پر قبضہ کیجئے، ماضی کو ہم واپسی پر یاد کر لیں گے۔“

”وہ آگئے میراثی۔“ ان دونوں بھائیوں کو دیکھ کر خالہ اختر کی گول گپاسی صاحبزادی نے اپنی طرف سے اندازے کا مذاق فرمایا اور اسی جیسا مذاق رکھنے والیاں کھل گھلا کر ہنس پڑیں۔

داوی کو پھر کرنٹ لگا۔ ”ہائے“ اب یہ اوقات رہ گئی ہے میرے بچوں کی۔ اگر ہنس بول لیتے ہیں تو میراثی کہلائے جاتے ہیں۔“

”ارے داوی! چلیے نا۔ آپ کے لیے شاید یہ نیا انکشاف ہے، ورنہ اکثر امیر رشتہ داروں کے ہاں ہم اسی نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔“

”امی! واپس چلیے نا۔“ سہامہ کو گھبراہٹ سی ہو رہی تھی۔ یہ روشنیاں یہ سجاوٹیں، سچے بنے لوگ، بے فکرے انداز بھلا وہ فٹ ہیں اس ماحول میں۔

”خبردار، کھانا کھائے بغیر جانے کا نام نہیں لینا۔“ حیان نے ڈانٹا۔

”اف۔۔۔ ایک تو میرے دونوں بیٹوں میں غیرت نام کو نہیں ہے۔“

”ارے امی! کیوں اتنی جلدی اندازے قائم کرتی

شہر بخاری

دور، حساس، سمجھ دار، خاموش طبع، چھوٹی چھوٹی خوشیاں پا کر گمن ہونے والی۔ سب کا خیال رکھنے والی، ہر دم کے کاموں میں مصروف۔

صغیر کی روایتی عورت۔
شہر بخاری کی خیروں کی لڑکی۔ وہ زبان سے اپنے جذباتوں کے اظہار پر قادر نہ ہونے کے باوجود اپنے سات دوسروں تک پہنچا سکتی ہے۔ وہ توجہ، محبت حاصل کرنے کے لیے شعوری کوشش نہیں کر سکتی۔ لیکن محبت کر سکتی ہے۔

لڑکی لڑکی اذنی عورت ہے، خاموشی سے تمام دکھ سننے والی ماں کی طرح مہمان، اس کی ساری طاقت اس کا دل اور محبت ہے اس کے ہاں انا نہیں ہے۔ خود داری ہے۔ اس کی محبت میں دیوانگی اور جوش نہیں، دھیمی سلطنت ہوئی کیفیت ہے۔ شدت نہیں، توازن ہے۔ مخی کہیں مٹھاس ہے، وہ محبت کی آگ میں جل کر راکھ ہوئی، لندن بن جاتی ہے۔

لڑکی شہر کی کم و بیش ہر تخلیق میں نظر آتی ہے۔ یقیناً ”شہر کی اپنی شخصیت کا پر تو اس میں کہیں نہ کہیں ضرور

کے نسوانی کردار جہاں مکمل نسوانی خصوصیات سے آراستہ ہوتے ہیں۔ وہاں مردانہ کردار مکمل مردانگی کا ہوتے ہیں حالات کا رخ بدل دینے والے، فیصلہ کن اور بے جھجک، مردانہ کرداروں میں شہر کی ایک اور خوبی آتی ہے۔ وہ ہے حس مزاج اس کے مردانہ کردار بہت برجستہ اور حاضر جواب ہوتے ہیں۔ ہنستے بھٹکتے زندگی گزارتے ہیں۔ شہر کے کردار اپنے ماحول کی تشریح کرتے ہیں۔ اس کی خیروں میں زندگی کے تمام رنگ نظر آتے ہیں۔ شوخ بھی پھیلے بھی اور دھندلے بھی۔ اس کے ہاں واقعات اور شخصیات اصل رنگ میں نظر آتی ہیں اور دھیمی لے اور مدھم مدھم سروس میں چلتے ہیں۔ عام انسانوں جیسے تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ۔ اس کی ایک آئینہ ہیں جن میں کے تمام کردار پوری صداقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔

اس کے کردار بھی جی جی بی بی تقریریں نہیں کرتے۔ چھوٹے چھوٹے فقروں میں جھلملوں میں کہیں نہ کہیں وہ جی جی ہوتی ہے جو وہ کہنا چاہتی ہے۔ اور کہانی کی آخری سطور میں اس کی سوچ اور فکر کی تمام تر گہرائی کے انسانی سانے آجاتی ہے۔ اور قاری محسوس کرتا ہے کہ یہ اس کے دل کی بات ہے۔

کے سفر جاری ہے اور یہ بڑی بات ہے کہ وہ خود کو دھرا نہیں رہی ہے۔

زبردست تیاری سے آرہے ہیں۔ آپ دونوں تیار رہے گا۔“

انہوں نے منہ سے کچھ نہیں کہا، بے نیازی سے اثبات میں سر ہلادے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ شادی کی تقریب میں یہی وہ اہم موڑ ہوا کرتا تھا جہاں گھر والے انہیں لفٹ کروانے پر مجبور ہوتے تھے اور دوسری مرتبہ دودھ پلائی کی رسم کے موقع پر بھی انہیں یاد کیا جاتا تھا مگر اصل نور مندی کے روز ہی ہوتی تھی۔

دونوں ڈھولک بجائے، گانے، ٹاپنے، گونے اور مقابل پر مناسب فقرے کہنے میں نامی گرامی تھے اور ایسے میں

اس دیکھ لیجئے گا، ایک دن میں ان بدماغ

رشتہ داروں سے کیا سلوک کرتا ہوں۔“
”جان اگر آئندہ تم نے مستقبل کے بارے میں کسی ماسوڑیں تو میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔ وہ اس کی کہ یاد ہی کرو گے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں ہیں اور باتیں سن لو ان کی۔“

”کہہ دو تم کی ڈانٹ ڈپٹ کا سلسلہ جاری تھا“
”اللہ ماموں یا چچا کی دونوں صاحبزادیاں چلی

لاکے والے آتے ہی ہوں گے اور سنا ہے“

دادی آزرہ سی بیٹی سوچا کرتی تھیں۔ ”آخر یہ دونوں کس پر چلے گئے ہیں۔ باب دادا کی لڑیا ہودی۔ بس آج گھر پہنچتے ہی خبر لینی ہے۔“ مگر اکثر تقریبات سے واپسی پر وہ اس قدر تھک چکی ہوتی تھیں کہ خبر گیری ان کی گرنی پر جاتی تھی۔

”لڑکے والے خاصے میے والے ہیں۔ بڑے مٹھے سے آرہے ہیں۔ پہلے ہی کہہ دیا ہے کھانے میں یہ یہ کچھ ضرور ہو اور نقشیں بہترین قسم کی ہونی چاہئیں۔“ چچا ہدایت اللہ کی لبتی بتا رہی تھی کہ اس وقت یہ دونوں بڑی اہم ہستیاں تھیں۔

”اچھا۔ اسی لیے یہ سب کیا گیا ہے۔ میں بھی کہوں، چچا ہدایت اللہ کا نہ اتنا دل ہے اور نہ ذہن۔ واہ اچھے لوگ ملے ہیں پھر تو۔“

حیان نے مزہ لے کر لڑکیوں کو بد مزہ کیا مگر اس موقع پر شادی والے گھروں میں ان کی زیادتیاں خاموشی سے سہہ لی جاتی تھیں۔

”ہم کپڑے تو اچھے پہن آتے۔“ چھوٹی شفو چپ نہ رہ سکی۔

”میرے آبا کپڑے کا کوئی کارخانہ چھوڑ کر فوت نہیں ہوئے تھے۔“

”چلو، یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھے لگ رہے ہیں۔“ لبتی نے بسن کو شو کاوے کربات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

اتنے میں گیٹ کی جانب سے شور اٹھا۔

”لگتا ہے مندی آئی۔“ دونوں انہیں ساتھ آنے کا اشارہ کر کے گیٹ کی طرف لپکیں اور یہاں وہاں باتوں میں مصروف اکثر لڑکیاں اور خواتین بھی باتیں چھوڑ کر گیٹ کی جانب بڑھنے لگیں۔ ان دونوں کی رفتار سب سے تیز تھی، حالانکہ سحان بالکل نہیں جانتا تھا کہ حیان کیوں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے مگر ساتھ دینا ضروری تھا۔

دونوں گیٹ کراس کر کے اب وہاں پہنچ چکے تھے جہاں لڑکے والے کھڑے تھے لڑکیاں اپنے میک اپ

اور مندی کی موم بتیاں سیٹ کر رہی تھیں۔ اگر اتفری کا عالم تھا۔ لڑکیاں میک اپ میں دوبارہ مصروف، لڑکے مووی کمرے سنبھالے ساتھ آئے چند معتبر بزرگوں کی ہدایات سنتے اثبات میں سر ہلا رہے اور دل میں اختلاف کرتے ہوئے۔ بزرگ خواتین لڑکے والوں کی طرف سے ہونے کی وجہ سے گردن اکڑائے اور قدرے شوخ کلمے جوڑے پہنے ہوئے۔ کہ جی، ہم پھپھیاں، پچپیاں خلا میں ہوتی ہیں۔ ایسے موقع پر بچنا سنورنا، مغرور، بد مزاج دکھائی دینا ہمارا پیدا کنی حق ہے۔

حیان نے جاتے ہی تمام گاڑیوں کا جائزہ لینا شروع کیا اور کوسٹ میں اسے اپنی مطلوبہ چیز بھی مل گئی۔ یہ تھے مٹھائی کے دو عدد بھاری بھر کم قسم کے بچے سب سے نوکرے، جنہیں ایک ہلر نما آئی اپنی نگرانی میں اترا رہی تھیں۔

”آئی! آپ کو ادھر جو انکل کھڑے ہیں، بلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں یادگار مووی بن رہی ہے، آپ کدھر ہیں۔“

”آہ۔ اچھا، ضرور انچھو کے ابا ہوں گے۔ کتنا خیال ہے میرا۔“ مسرور و مغرور ہوتی غرارے کا پانچواں چنٹی میں دبا کر ایک شان سے روانہ ہوئیں۔ وہ گئیں تو یہاں موجود دونوں لڑکے بھی رونقیں دیکھنے ادھر چل پڑے۔ جدھر باراتی لڑکیاں میک اپ درست کر رہی تھیں۔

سحان نے حیان کو اشارہ کیا اور ذرا سی دیر میں وہ دونوں مٹھائی کا بڑا نوکر اتار کر ساتھ کی گلی میں داخل ہو چکے تھے۔ اصل میں کوسٹ سب سے آخر میں تھی اور یہاں گلی میں اندھیرا تھا۔ انہیں ذرا بھی مشکل نہیں ہوئی۔

نوکر ہدایت اللہ صاحب کے پچھواڑے رہنے والے اپنے ایک دوست کے دروازے پر رکھا اور تیل بجائی۔

ذرا دیر بعد ماجد کا لبو تر اچھو نمودار ہوا۔

”آبا، مٹھائی، وہ بھی اتنی ساری۔ تم دونوں میں سے کس کا رشتہ طے ہوا ہے۔“ مصوف نے محبت بھری نگاہ کی زد میں صرف نوکری کو رکھتے ہوئے دونوں سے

وال کیا۔

”کسی کا نہیں اور یہ نوکر تو ایک امانت ہے میرے بھائی! تم ذرا ڈھائی تین گھنٹے تک اس کا خیال رکھنا پھر ہم آکر سب بتائیں گے۔“

”تھوڑی سی کھالوں؟“ ماجد کی رال ٹپکی۔

”نہیں، بالکل نہیں۔ کہہ تو رہے ہیں ابھی آتے ہیں پھر تمہیں تمہارا حصہ بھی دے دیں گے۔“

”چلو پھر ٹھیک ہے۔“ ماجد نے لپک کر نوکر اٹھا لیا۔ دونوں واپس ہوئے۔

کوسٹ کے قریب باراتیوں کا رش بتا رہا تھا واردات کا

اکشاف ہو چکا ہے۔ دونوں شان بے نیازی سے چلتے

ماہوں ہدایت اللہ کے ہاں آگئے، جہاں بارات کے

استقبال کے لیے لڑکیاں پھولوں کی پتیاں لیے قطار در

قطار کھڑی تھیں۔

”کہاں رہ گئی ہیں باراتی خواتین، اب اندر کیوں

نہیں آ رہیں۔“ یہ باہر سے آرہے تھے اس لیے سوال کیے گئے۔

”آجاتی ہیں، کیا یہ پھول بہت وزنی ہیں جو پانچ منٹ

اٹھا کر تم لوگ ٹھکنے لگی ہو۔“ اتنا کہتے ہوئے یہ لوگ آگے بڑھ گئے۔

کچھ دیر کے بعد باراتی خواتین اندر آنے لگیں۔

وہاں کی اماں جن کے کروفر کی داستانیں یہاں وہاں سنی

گئی تھیں، حواس باختہ سی تھیں۔ غرارے کا وہ پانچواں

دو کچھ دیر پہلے نزاکت سے چٹکی میں تھام رکھا تھا، اب

فرش پر رل رہا تھا۔ مندری کے بہت سے بچے سجائے

تھال مگر مٹھائی کی بس چٹی منی دو نوکریاں۔ وہ بیگم

ہدایت اللہ اور لڑکی کی چچیوں پچھیوں سے بار بار

کہہ رہی تھیں۔

”اتنا بڑا نوکر ہونا تھا، کوسٹ میں رکھا بھی تھا۔ اللہ

ہاں نے کہاں غائب ہوا۔“ اور لڑکے والیوں کے چہرے

کو مسکراہٹ تھی، اس وقت وہ بڑا واضح اعلان کرتی

کی۔

”آپ جھوٹ بول رہی ہیں، آپ بکواس کر رہی

ہیں۔ بس یہی اوقات تھی آپ کی۔ شو باز، کینے

کنگلے۔“

لڑکے والیوں کے سر جھکے ہوئے تھے اور ادھر

ہولے ہولے مگر اتنی آواز میں تبصرے جاری تھے جو

لڑکے والے سن سکیں۔

ہدایت اللہ صاحب کے ہاں کھانا اعلیٰ درجے کا تھا،

گانوں کا مقابلہ بھی خوب رہا۔ سحان نے ساس اماں کو

نظر میں رکھ کر ”غزارہ غزارہ“ میں ہوں اک غزارہ“ گایا

اور لڑکی والوں سے داد اور لڑکے والوں سے مختلف

القاب وصول کیے۔

ہنگامے میں سامہ اپنے کپڑوں کا غم بھی بھول گئی۔

ای اور دادی کو بھی ماضی میں جھانکنا یاد نہیں رہا مگر اپنے

لڑکوں کی جنتیں اور گانے گانا انہیں کچھ خاص پسند

نہیں آیا۔

رات کے ڈیڑھ بجے لڑکے والے واپس ہوئے،

اس کے بعد ادھر کے مہمان اجازت لینے لگے۔

ان سب نے خود دیکھا۔ حیثیت والے مہمانوں

کے ساتھ ہدایت اللہ اور بیگم ہدایت اللہ نے کھانا اور

مٹھائی بھی کی، جبکہ جو ذرا کم درجے کے تھے۔ ان کے

ساتھ صرف کھانا، وہ بھی صرف بریانی پر مشتمل جا رہا تھا

اور جب ان کی باری آئی تو وہ بھی نہیں تھا۔

”واہ رے زمانے!“ دادی گیٹ کراس کرتے ہوئے

آبدیدہ ہو گئیں۔

”اتنے سارے رشتہ داروں کے پاس گاڑیاں ہیں۔

کسی نے یہ نہیں کہا، آؤ تمہیں بھی چھوڑ آئیں۔“

ای بھی رنجیدہ تھیں۔ سامہ ایک بار پھر اس گھڑی کو

کوس رہی تھی، جب وہ یہاں آئی تھی۔

”اتنا اچھا کھانا تو کھایا ہے۔“ سحان نے یاد دلایا۔

”ہو نہ کھانا، اتنے امیر لوگ ہیں مگر کھانے پر ٹوٹے

پڑ رہے تھے اور مٹھائی، وہ تو میں نے چکھی تک نہیں۔

بتی سب کے آگے پلیٹ کر رہی تھی۔ میں تھوڑا پیچھے

بیٹھی تھی مگر اس نے مجھے دیکھا تو ہو گا پھر بھی مجھے دینا

ضروری نہیں سمجھا اور میرا گلاب جامن اور پستے والی

برنی کھانے کو اتنا دل چاہ رہا تھا۔“

”تم خود آواز دے لیتیں لبتی کو۔“ ای سے بیٹی کی

حسرت دیکھی نہیں گئی۔

”ایسے ہی دے لیتی۔“

”اور کیا اتنی لمبی تو ناک ہے ہماری سامہ کی۔“
دونوں بھائی خاصے مسرور دکھائی دیتے تھے۔

”یہ ہم باتوں میں کدھر نکل آئے۔ مین روڈ تک جانے کا یہ تو راستہ نہیں ہے۔“

”اُدھر میرا ایک دوست رہتا ہے، ذرا اس سے سلام دعا کر آؤں۔“ سبحان کے کہنے پر تینوں خواتین بڑبڑانے لگیں کہ ”تھکن شدید تھی اور وہ فوراً گھر جانا چاہتی تھیں۔“

”آپ لوگ ادھر ہی ٹھہریں، ہم دونوں سلام محبت پیش کر کے آتے ہیں۔“ دونوں تیز قدموں سے آگے بڑھ گئے۔ ماجد مٹھائی کے نوکرے کے قریب ہی لینان کی آمد کا منتظر تھا۔

”بڑی دیر کر دی۔“ انہیں دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا۔

”ہاں۔ تو بیاہ شادی کے ہنگاموں میں اتنا ٹائم تو ہو ہی جاتا ہے۔ بڑی خاموشی ہے، گھر والے سو گئے؟“ حیان نے ساتھ ہی سوال بھی کیا۔

”گھر والے گھر پر ہیں ہی کب۔ شام چار بجے چچہ وطنی سے آپا کا فون آیا۔ بڑی بچی کی منگنی کر رہی ہوں فوراً“ پچیس۔ بس جیسے تیسے تیاری کر کے سب بھاگ پڑے۔ بھیا کے دونوں سوٹ استری کرنے کو رکھے تھے۔ پیس رہ گئے ہیں وہاں سب ہی بھیا سے خاصے چھوٹے قد کے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا، بھیا اب کیا کریں گے۔ اگر کسی اور کا مانگ کر نہیں گے تو گھٹنوں سے کچھ ہی نیچے ہو گا۔“

”خواتنواہ اتنا ٹائم اس سوچ میں برباد کیا۔ بھیا کو فون کر دو، کسی کا بھی استری شدہ جوڑا پہن کر گھر کے سب سے آرام دہ صوفے میں دھنس کر بیٹھ جائیں اور مہمانوں کے آنے پر استقبال کے لیے انہیں نہیں بیٹھے بیٹھے مصافحہ کریں اور کہہ دیں، ”ہاؤں میں موج آئی ہے۔ مہمانوں کے جاتے ہی طویل انگڑائی لیں اور بستر پر آرام کی نیند سوئیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔“

حیان کے اس مشورے پر ماجد نے ستائش بھری

نظروں سے اسے دیکھا اور بولا۔ ”میں ابھی فون کرتا ہوں۔“

سبحان نے نوکرا اٹھالیا۔ حیان نے ذرا سا کھول کر کچھ مٹھائی نکال کر ماجد کو تھما دی اور بولا۔

”یہ تمہارا انعام ہے۔ تفصیلات سے آکر آگاہ کریں گے۔ السلام علیکم۔“

”تنی مٹھائی۔ یہ کہاں سے آئی ہے؟“ تینوں کی آواز مارے خوشی کے چٹکتی ہوئی سی تھی۔

”ہمارے دوست کے بھائی کا رشتہ طے ہوا ہے۔ جو بھی رشتہ دار آ رہا ہے، مٹھائی لا رہا ہے، اس نے کچھ ہمیں دے دی ہے۔“

”کتنّا اچھا دوست ہے۔ رشتہ داروں سے تو پرانے اچھے۔ وہاں ان سب کو کھانا اور مٹھائی بھی ساتھ دی گئی جو کھاتے پیتے ہیں۔ ہمیں کسی نے چاول تک نہ تھمائے۔“

”فصیح کریں دادی! ہمیں اتنی مٹھائی مل تو گئی ہے۔ اللہ کرے کسی اچھی دکان کی ہو۔ کھانے میں مزہ بھی آئے۔“ سامہ کی تھکن اب ہوا ہو گئی تھی۔

صبح دادی نے چھوٹی پلیٹوں میں مٹھائی ڈال کر اس پاس کے گھروں میں بھجوائی۔ لے کر جانے والے یہی دونوں تھے۔ جہاں سبحان سے سوال ہوا۔ ”کاہے کی مٹھائی ہے۔“ جواب دیا۔ ”حیان امریکہ جا رہا ہے، اسی خوشی میں امی نے بھجوائی ہے۔“

جہاں حیان گیا، وہاں اس نے کہا۔ ”سبحان جرمنی جا رہا ہے۔ بس اسی خوشی میں آپ کرم فرماؤں کا منہ میٹھا کروانے چلا آیا ہوں۔“

سن کر خوش ہونے والے کم تھے اور ان کی تعداد زیادہ بھی جن کے سینوں پر سائب لوٹ گئے۔

”کس طرح لگ گیا ویرا؟“ سب سے زیادہ جل بھن جانے والوں میں سابق ایس ڈی او جناب چیمٹھ صاحب نمایاں تھے۔

”یہ لمبی داستان ہے۔ فی الحال ٹیم (ٹائم) نہیں ہے۔“ حیان انہیں تجسس میں مبتلا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

اب تک یہ دونوں گھر پہنچے، یہاں رونق ہی رونق کی۔ دادی اور امی مسلسل لٹی میں سر ہلا رہی تھیں۔ کمرے میں، کچھ شرمندہ اور کچھ بے یقین کھڑے تھے کہ ان کے خیال میں لڑکے بھلا جھوٹ کیوں بلیں گے۔ ضروریہ عورتیں چھپا رہی ہیں۔

”کیوں بے وجہ جھوٹ بول کر گناہ سمیٹتے ہو۔“ داروں کے جانے کے بعد دادی اور امی تاسف کے عالم میں اپنے ہونمار سپوتوں کو دیکھ رہی تھیں۔

”اس میں گناہ سمیٹنے کی کیا بات ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن تو ہم کو جرمنی اور امریکہ والوں کو شرفِ اولیت بخشا ہے۔“ حیان یہ کہتا ہوا بستر دراز ہو گیا۔

”جی تو چاہتا ہے، جو تا ماراؤں اور تم دونوں کے سر گن کر سوسو لگاؤں۔“

”مگر جوتے کا خیال آ جاتا ہے۔“ سبحان نے جیسے مکمل کیا۔

”اماں! ہم نے سنا ہے، آپ کے بچے ملک سے باہر جا رہے ہیں۔“ پچھواڑے میں رہنے والی آپا صفری ہماری بھر کم وجود کو سنبھالے اب پہنچی تھیں۔

”آئیے، آپ ہی کا انتظار تھا۔ چرو ہے کہ لال مار۔ ارے یہ تو ہے اپنی خالہ صفری۔“ حیان نے لی لی پر چلنے والے ایک ایڈ کی نقل اتاری۔ سامہ نے ہنستا شروع کر دیا۔

”ایک تو ہمیں بات بے بات بڑی ہنسی آتی ہے۔ پلو جا کر خالہ کے لیے چائے بناؤ۔“ امی نے کوفت کے عالم میں بیٹی کو ڈانٹا۔

”رہنے دیں امی! خالہ کے گھر چائے بڑی، ہم فریبوں کی چائے، چینی، دودھ کیوں ضائع کرتی ہیں۔“ سبحان کی بات سے حیان کو مکمل اتفاق تھا۔

”آنا تم دونوں میرے گھر میں۔ پانی بھی پوچھ لوں تو ہم بدل دینا۔“ آپا صفری کا بلڈ پریشر بڑی جلدی ہائی ہوا کرتا تھا۔

”اب تو آپ کے اچھے بھی پوچھیں گے۔ ہم امریکہ جو جا رہے ہیں۔“ حیان نے یاد دلایا۔

”اے ہاں دادی! کیا یہ سچ ہے؟“ وہ پھر سے اصل

موضوع پر آگئیں۔
”مٹھائی کیا ہم نے یونہی مذاقاً بھیجی تھی۔ آخر کوئی توجہ ہوگی ناں۔“

”ہاں“ کہتے تو ٹھیک ہو۔“ انہوں نے دیدے گھمائے۔

”آپ! دفع کرو امریکہ، جرمنی کو۔ تم آج مجھے یہ بتاؤ کہ یوں دیدے کس طرح گھمائی ہو۔ سچ پوری آنکھ میں لٹو کی طرح گھومتا ہے۔ آئینہ سامنے رکھ کر میں نے کئی بار کوشش کی، ہر بار منہ کی کھائی۔“

”تم دونوں بھائیوں کو دوسروں کا مذاق اڑانے کے سوا کوئی کام نہیں۔ میں تو دادی سے ملنے چلی آئی تھی۔“

”کیوں آج کوئی عید کا دن ہے؟“
”حیان! اٹھ جا کر سبزی لے آ۔ کتنا وقت ہونے کو آیا، ابھی تک سودا ہی نہیں آیا۔“

”آجائے گا سودا بھی۔ ہم نے کون سا بیانی کو فٹے مرغ مسلم بنانا ہے۔“ سامہ نے کچھ جل کر کچھ اکٹا کر کہا تھا۔

”رات کو یہی سب تو کھانا ہے۔ آج چچا ہدایت اللہ کی دختر نیک اختر کی شادی ہے۔“

”ناں رات کو جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا، اب ہم تو کبھی نہیں جائیں گے۔“ خواتین کا متفقہ فیصلہ تھا۔

”آپ کے نہ جانے سے کسی کو فرق نہیں پڑے گا مگر آپ لوگ اچھے کھانے سے محروم ہو جائیں گی۔“

”پروا نہیں۔ جہاں عزت نہیں وہاں جائیں کیوں۔“

”ہم دونوں بھائی تو ضرور جائیں گے۔“

”ذرا سی بھی غیرت ہو تو اس گھر میں تھو کو بھی نہیں۔“

”ہم گھر میں تھوڑی سی کلب میں جائیں گے۔ آج کا فکس نہیں ہیں ارج کیا جا رہا ہے۔“

میں کلب میں خوب رونے لگی تھی۔ کل تو کچھ نہیں

کہا تھا مگر آج ہدایت اللہ و بیگم ہدایت اللہ نے دونوں بھائیوں کے سادہ کم، قیمت لباس اور جوتوں پر خاصا اعتراض کیا اور دادی اور امی کے نہ آنے پر کسی نے پوچھا تک نہیں۔

بارت ابھی نہیں آئی تھی۔ دلہن بھی پار لر گئی ہوئی تھی۔ رشتہ دار خواتین و حضرات ٹولیوں کی صورت میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ موضوع گفتگو ہر ٹیبل پر لباس اور ان کی قیمت ہی تھی۔ یہ دونوں ادھر ادھر ٹھہر رہے تھے۔

اسی دوران نیو صاحبہ اپنے والد جناب احمد یار صاحب کے ساتھ تشریف لائیں۔ بلیک ساڑھی جس پر اللہ جانے سلور ستارے تھے یا کیا تھا۔ جو بھی تھا بے حد سج رہا تھا۔ شانوں پر لہراتے اخروں کی لکڑ کے گھنے چمکدار بال۔ سفید اور گلابی سی رنگت، سلور جیولری سے مزین کان، ہاتھ اور گردن۔ میک اپ بہت لائٹ مگر سلیقے سے کیا گیا اور سب سے بڑھ کر وہ غرور و جواک اک ادا سے نمایاں تھا۔

حیان نے گہری سانس کھینچ کر بڑی تفصیل سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا، اتنی ٹھنڈی سانس کیوں بھری ہے سارا باحول سرد ہو گیا۔ وہ دیکھو، میرا خیال ہے، انکل احمد کی نقلی بیٹی اسی لیے کڑکڑ کر رہی ہے۔“

”ٹھنڈی آپہں نہ بھروں تو کیا کروں۔ میں نے تو سنا تھا۔ ماموں ہدایت اور انکل احمد صاحب کے بیچ ایسٹ کتے کا بیر ہے۔ وہ ہرگز اس شادی میں شرکت کے لیے نہیں آسکتے مگر وہ آگئے۔ مجھے میری کم مائیگی کا احساس دلانے۔ ہونمار، حسین، مغرور بیٹی سمیت۔“

”تم دل پر نہ لو۔“ سبحان نے اس کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر مشورہ اور تسلی دی۔

”کیسے نہ لوں۔ یہی تو ہے وہ ظالم حسینہ جس کے سامنے میری بولتی بند ہو جاتی ہے۔“

”خیر یوں تو نہ کہو۔ زبان تو اللہ کے فضل سے تمہاری ہر جگہ ہی قیمتی کی طرح چلتی ہے اور بچے! فکر کیوں کرتا ہے، انکل احمد نے کون سا ڈگریوں پر

اگریاں چڑھائی تھیں یا کہاں کے جدی پشتی رئیس تھے۔ چھوٹا سا بزنس تھا ان کا پھر کچھ تو انہوں نے ادھر ادھر ہاتھ مارے اور اچھا خاصا سپر اسٹور بنا کر پڑھے لکھے ملازم رکھ لیے۔ خود تو سوٹ بوٹ پہنے سائڈ پر بیٹھے رہتے ہیں۔ سارا کام زاکر دیکھتا ہے۔“

”ہاں، پتا ہے مجھے اور وہی زاکر تو مجھے رقیب روسیہ لگتا ہے۔ اکلوتی بیٹی کو کہیں اسے نہ سوئیں۔ جب ہی خیال آتا ہے منہ کا زانقہ خراب ہو جاتا ہے۔“

”خیال بھی تمہیں کیسا احمقانہ آتا ہے۔ ارے وہ چند ہزار کا ملازم ہے، اسے کیوں دیں گے بیٹی۔ ایسے ہی نہ دے دیتے ہوتے رہا کرو۔“

”نہ سلام نہ دعا پر خوردار! تمہیں اتنا بھی نہیں پتا کہ بڑا آئے تو اٹھ کر ملتے ہیں سلام کرتے ہیں۔“

حسب عادت انکل احمد ڈھونڈ ڈھانڈ کر محفل کے شرکاء کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرتے، ان کے پاس آئے تھے۔

”ہائے سلام انکل! اصل میں وہ آئے برسم میں اتنا تو میسر نہ دیکھا پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔“

”ہو نہ! حیان کے سنا رہا ہے، نیو بخوبی سمجھتی تھی۔ تنفر سے سر جھٹک دیا۔“

”کیا ہے، کیا کہہ رہے ہو۔“ انکل کی سمجھ میں خاک آتا۔

”آپ کیسے آگئے، ہم نے تو دشمنوں کو خوشی خوشی کہتے سنا تھا کہ آپ اگر محفل کا حسن خاک میں نہیں ملائیں گے۔“

”کون، کس نے کہا؟“ انکل کے کان محاورہ نہیں بلکہ واقعی کچھ کھڑے محسوس ہوئے تھے۔

”پتا نہیں اس جانب ہماری پشت تھی۔ بس کسی کو کہتے سنا تھا۔“ حیان بے نیازی سے کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بظاہر جو میرے رشتہ دار ہیں، یہ اندر سے جلتے ہیں۔ میری دل ان کی نیندیں حرام کیے ہوئے ہے۔“

”بالکل انکل! ٹھیک کہتے ہیں آپ، واہ کیا ذہانت ہے۔“ سبحان نے دادی جبکہ حیان بیٹھی نظر سے نیو بی بی کو تک رہا تھا۔

”ویڈی! آپ بھی کس طرح کے لوگوں کے پاس کھڑے ہو گئے ہیں۔“ نیو نے اپنی خوبصورت سی ناک سیکڑ کر یاد دلایا۔

”واہ! جناب بھی چونکے۔ دونوں پر تنقیدی نگاہ دوڑائی۔ ”نکتے، نالائق۔ لگتا ہے باپ جہاں چھوڑ کر مرا تھا وہیں پر کھڑے ہو۔“ وہ ناپسندیدگی کا واضح اظہار آنکھوں میں بھر کر آگے بڑھ گئے۔

”ذہانت میں بیٹی بھی باپ پر پڑی ہے۔“ حیان نے تبصرہ کیا۔

”کاش، صورت میں بھی باپ جیسی ہوتی۔ تمہاری عقل تو ٹھکانے رہتی۔“

”ویسے بھائی! مجھے اکثر یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ نیو جیسی حسین پری انکل جیسے جن کے گھر کیسے پیدا ہو گئی۔“

”ارے لڑکیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔ پیدا وہاں ہو گئی تو کیا، جانا تو کسی اور کے گھر ہے۔“

”بہت خوب میرے بھائی! یہ یاد دلا کر تم نے میرا سیروں خون برصا دیا۔“

”چلو اٹھو۔ میرا خیال ہے، ممانی صاحبہ برات (بارات) کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے ہی اتنے بھاری وجود کے ساتھ بھاگتی چلی آ رہی ہیں۔“ سبحان نے بھائی کا بازو ہلا کر توجہ مبذول کروائی۔

”واہ کیا صحت ہے۔“ حیان نے دادی۔

”لے گئے گھر کا کھانا ہیں، آپ کو کیا تکلیف ہے۔“

”آئی کی بھانجی، بیٹی جو بھی تھی، من کر برامان گئی۔“

”تو آپ کے گھر کیا فاقے ہوتے ہیں۔ کیسی سیخ سلانی ہو رہی ہیں۔“ سبحان نے خاصے دکھ کے ساتھ محترمہ کو دیکھا۔

”شٹ اپ! دونوں وہی ہوئیں جو کل بھی آئے تھے۔ سارا وقت لڑکے والوں پر فقرے اچھالتے رہے میں تو سمجھی۔ پھوپھا ہدایت اللہ نے کرائے پر میرا لئی

دیکھا تھا۔ بڑی پیاری سی بچی تھی۔ اب کیسی ہو گئی ہے؟“ امی کی دلچسپی جدا تھی۔

”یہ آپ حیان سے پوچھیں۔“ سبحان نے شرارت سے بھائی کو دیکھا۔

”لو میں کوئی لڑکیاں تاڑتا رہتا ہوں اور پھر اتنی ساریوں میں مجھے کیا پتا کون سی نیو ہے۔“ وہ کچھ چوکنا سا ہو کر دادی کی گود سے اٹھ بیٹھا۔

”اچھا پھر ملا تم سے احمد یار؟“ دادی نے از حد دلچسپی سے اگلا سوال اٹھایا۔

”وہ دولت مندوں کو بھی گھاس ڈالتے سو مرتبہ سوچتے ہیں۔ ہم بے چاروں کی فی الحال حیثیت ہی کیا ہے اور وہ بھی ہمارے حال کو دیکھتے ہوئے عزت نہ دینے کے سنگین جرم میں ملوث رہے ہیں بیٹی سمیت۔“ آخر میں حیان کو دیکھ کر کہا گیا۔

”کیا مختصر جملے بول رہے ہو، بڑی فضول عادتیں ہیں تم لڑکوں کی۔ جب ہم کہتے ہیں کم بولو تو رکتے نہیں۔ اب جب پوچھ رہے ہیں تو بتانا کچھ نہیں رہے۔“

”کیا بتائیں کچھ ہوا ہی نہیں۔ بس وہ صاحبزادی کے ساتھ آئے کھانا کھایا، پر غور انداز میں دیدے کھما کر آنکھوں آنکھوں میں سب مہمانوں کو فٹے منہ کہا اور چلتے بنے۔“

”بڑا ہی غرور ہے اس احمد یار میں، بھول گیا اپنا ماضی۔ کیا اوقات ہوا کرتی تھی اس کی۔ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے نوکری سے فارغ کر دیا گیا تھا۔ اس کی بیوی مرحومہ لوگوں کے کپڑے سلائی کیا کرتی تھی۔ ہاتھ میں بڑی صفائی تھی، لوگ زیادہ پیسے دے کر بھی سلائی کروانے پر تیار ہو جاتے تھے۔ بس وہ صرف کپڑے سلائی کرتی تھی پھر لڑکیوں کو سلائی سکھانے کا اسکول کھول لیا۔ بس پھر کام چل نکلا۔ کاروبار پھلنے لگا۔ دکانوں پر ان کے سلع اور کڑھائی کے کپڑے مانے لگے اور دیکھ لو آج احمد یار کتنے کھڑا ہے۔ بیوی بے چاری تو دنیا سے اسی منت مشقت کے دور میں ہی رخصت ہو گئی اور یہ عیش کر رہا ہے۔“

”دوسری شادی بھی ہوئی تھی۔ نکاحی سے کیا ہوا یا۔“

”ہاں، کالی کلونی سی تھی دوسری والی۔ بس پتا نہیں یہ مرد کا دل بھی کیا ہوتا ہے، اکثر گدھی پر ہی آتا ہے اور وہ کالو بھی چلترازا، کافی روپیہ پیسہ سمیٹ کر بیاہ کے دوسرے مہینے ہی رخصت ہو گئی تھی۔“

”چلترازا کیوں۔ عقل مند کہیں نا۔“ حیان نے اختلاف کیا۔

”ہاں۔ تمہیں ایسے ہی لوگ پسند آتے ہیں۔“ دادی نے طنزاً کہہ کر شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔

”ہاں، ٹھیک کہتی ہیں آپ دادی جان! ہمارے دونوں بھائی ایسے لوگوں سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ پتا نہیں کس پر پڑے ہیں۔“ سامہ کو بھی بھائیوں کی یہ باتیں پسند نہیں تھیں۔

”پتا نہیں احمد بھائی کی بیٹی کا رشتہ بھی کہیں ہو گیا ہے یا نہیں۔“ امی کی دلچسپی جدا تھی۔

”نہیں ہوا اور احمد یار صاحب کہتے ہیں نہ تو خاندان میں دوں گا نہ کسی ایسے کو دوں گا جو میری دولت پر نظر رکھ کر میری نازوں کی پالی کا ہاتھ مانگے۔ ویسے آپ نے یوں پر سوچ انداز میں یہ سوال کیوں اٹھایا ہے؟“ حیان نے تفصیل بتانے کے بعد وجہ جاننے کی کوشش کی۔

”ایسے ہی یاد آگیا تھا۔ بڑی پیاری، بڑی بھولی بچی تھی۔“

”آئے ہائے ماں! ماضی کی بات مت کریں۔ اب تو وہ بڑی نازک بلکہ تنگ مزاج ہو چکی ہے۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔“

”اچھا، پتہ چل چکا۔ بس ماحول بچے کو بگاڑنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس بے چاری نے ہوش سنبھالتے ہی جو دیکھا اس کے مطابق ہی بننا تھا نا۔“

”یعنی بچی بے قصور ہے۔ آپ اسے ہنڈر ڈر سنٹ مار کس دیتی ہیں۔ مبارک ہو چھوٹے بھائی۔“

”کیا اول فول بک رہے ہو۔“ دادی کو سبحان کے اس پورے جملے پر ہی اعتراض ہوا۔

”ابھی تو امی خود ہی کہہ رہی تھیں کہ بچی بے قصور ہے۔“

”اچھا بس کرو، چلو جا کر آرام کرو۔ میں بھی تھک گئی ہوں۔“

”تھک آپ گئی ہیں آرام ہم کریں۔“ دونوں ہنس پڑے۔

صبح ناشتے سے فارغ ہو کر سامہ گھر کی جھاڑ بونچھ میں لگی تھی۔ امی پکن سمیٹ رہی تھیں۔ سبحان صبح ہی صبح تیار ہو کر کسی دوست کی طرف گیا تھا۔ حیان اور داوی برآمدے میں ایک ہی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ داوی کے ہاتھ میں کوئی پرانی سی کتاب تھی۔ وہ جب بھی اس پر نظر جما کر پڑھنے لگتیں۔ حیان پیر جھلانے لگتا۔ چارپائی کے ساتھ ساتھ داوی اور داوی کے ساتھ کتاب بھی مل جاتی اور غصے میں وہ اس پر چلانے لگتیں۔ وہ ہنس کر معذرت کرتا مگر اب تک یہ عمل اور معذرت کئی بار دہرائی جا چکی تھی۔ آخر تنگ آکر انہوں نے کتاب بند کر کے پتھنے کے انداز میں تنکیے پر رکھ دی۔

”آخر سے کیا اس کتاب میں؟“

”نوٹوں کی کتاب ہے۔ سبحان کی شرٹ پر پینٹ کا داغ لگ گیا ہے۔ اسے دور کرنے کو ہی دیکھ رہی تھی۔“

”لیجئے، ماہر اپنی ماہرانہ رائے دینے کو قریب ہی بیٹھا ہے اور آپ خواہ مخواہ اس باریک لکھائی والی کتاب پر نظر جما کر خوبصورت آنکھوں کا ستیاناس مارنے لگی ہیں۔“

”تم اور تمہارے ماہرانہ مشورے۔“ جل کر طنز یہ انداز میں کہا گیا۔

”لینے تو۔“ ادھر اصرار ہوا۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولیں۔ بس ایک نظر اس پر ڈال کر اجازت دے دی۔

”حل یہ ہے کہ آپ شرٹ کو اسی رنگ میں رنگوا لیجئے جس نظر کا داغ لگا ہے۔ کیوں؟ کیا؟“

”مخصوص انداز میں داد چاہنے کے لیے آنکھ ماری۔“

”واہ میرے اللہ! کیا اہل کے بھائیوں سے تو اتنا

ہے تو نے۔ اپنی طرز کے دونوں ہی لا جواب ہیں۔“

سامہ مسئلے کا حل سن کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

”ہمیشہ ہنس پڑتی ہو، کبھی سیریس ہو کر داد بھی دے دیا کرو۔“

”کیا داد دیں ہم تمہیں۔ اللہ نے دو بیٹے دیے مگر دونوں ہی نکمے۔“ داوی نے سرد آہ کے درمیان شدید اداسی میں گھرے ہوئے جملہ ادا کیا تھا۔

”ہائے مرے میرے دشمن۔ ہر کلاس فرسٹ کلاس فرسٹ، پڑھائی میں آگے، کھیل میں نامور، ڈرامینک سوسائٹی کے رکن۔ ابھی کچھ کسریاتی ہے کیا؟“ وہ مارے صدمے کے ان کی گود میں گر پڑا۔

”ارے کیا فائدہ ایسی کامیابیوں کا۔ جب نوکری ہی نہیں ملی۔“

”حل جائے گی۔ کبھی ہمیں مایوس دیکھا ہے۔ انٹرویو دینے جاتے ہیں تو یوں جیسے دینے نہیں بلکہ انٹرویو لینے والوں میں شامل ہیں اور پرامید بھی یوں رہتے ہیں جیسے یہ ملیں، یہ انڈسٹریاں ہمارے لبا کی ہیں۔ بس ابھی کال کر کے بلوائیں گے۔“

”پتا نہیں تم دونوں کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔ منگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے، گھر کی گاڑی چلانا مشکل ہو رہا ہے، تمہیں پرواہی نہیں۔“

”روئے دھونے سے اگر مسائل میں کمی ہو سکتی ہے تو پھر میں اور بھائی آج ہی دھاڑیں مار کر رونا شروع کرتے ہیں۔ سامہ! آج تم گھر میں دکھائی دے رہی ہو، کیا کوئی اہم ٹیسٹ تھا؟“

”توبہ ہے بھائی! آپ نے تو مجھے نالا نقوں کی استاد سمجھ رکھا ہے۔ آج امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، اسی لیے چھٹی کر لی۔“

”اٹھو حیان! اور ازے پر دستک ہو رہی ہے۔“ داوی نے اسے گود سے دھکیلنے کی کوشش کرتے ہوئے بتایا۔

”ہاں دیکھو تو۔ ہو سکتا ہے نصیب ہی دستک دے رہا ہو۔“ وہ تیزی سے اٹھا پھر دبے قدموں سے دروازے کی جانب یوں بڑھنے لگا جیسے واقعی یقین ہو کہ دستک نصیب کی ہی ہے۔

دروازہ کھولا، باہر سامنے والے مرزا صاحب سر پر سفید ٹوپی، ہم رنگ بے داغ لباس اور چھتری کے ساتھ کھڑے تھے۔

”واہ کیا شان ہے انکل! آپ کی بھی اور یہ رنگ آپ پر سوٹ بھی بہت کرتا ہے۔“ ذرا اونچی آواز میں تعریف کی اور سبزی کی ریڑھی کے اطراف میں گھیرا ڈالے کھڑی مکھنے کی سب بھابھیاں، باجیاں اور حمر متوجہ ہو کر مرزا صاحب کو دیکھ کر ہنس پڑیں کہ ان کی کالی سیاہ رنگت اور سفید لباس واقعی حسین امتزاج تھا۔

”بیٹا حیان! مجھے تم سے ایک کام تھا۔“

”اگر رازداری شرط ہے تو اندر آجائیے۔“

”اوہو، کیسی باتیں کرتے ہو۔ بھی میری بھتیجیاں آ رہی ہیں، کچھ ہی دیر پہلے بھابھی کا پنڈی سے فون آیا ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں ٹرین پہنچ جائے گی۔ تم ذرا اسٹیشن جا کر بچیوں کو لے آتے۔“

”اوہو! اچھا اچھا۔“ اس نے سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا پھر بولا۔ ”آپ خود کیوں نہیں چلے جاتے۔ میرا مطلب ہے وہ آپ کو دیکھ کر زیادہ خوش ہوتیں۔ میرا بھلا ان بچیوں سے کیا رشتہ۔“

”میں ضرور چلا جاتا مگر تمہاری خالہ کے گردے میں اچانک درد شروع ہو گیا ہے، ورنہ میں تو بالکل تیار تھا۔“

”چلیے، کوئی بات نہیں۔ میں چلا جاتا ہوں۔“

”شباباش بچے! یہ پیسے رکھ لو، چلے تو ویکین سے جانا مگر اپنی پر نیکی میں آ جانا۔“

”جی جی، واہ کیا بصیرت ہے۔“ منہ بنا کر داد دی۔

”اوں نے پیسے تھمائے، ٹرین کا ٹائم بتایا۔ جانے کو دے تو اسے خیال آیا۔“

”مرزا صاحب! ذرا بچیوں کے حال چلیے تو بتا دیجئے۔“

”رگت میں تو آپ پر ہی پڑی ہوں گی مگر پھر بھی۔“

”نہیں میاں! یہ تو میرا ہی رنگ جانے کس پر پڑ گیا، ہمارا خاندان تو رنگ و روپ میں سینکڑوں گومات دیتا ہے۔ بچیاں بھی خاصی خوبصورت ہیں۔ یہی کوئی امی سامہ کی عمر ہوگی اور تین لڑکیاں ہیں۔ ایک کا نام

ناہید، دوسری عقلمند اور تیسری ان کی کوئی ننھیالی کزن ہے۔“

”سامہ کی عمر کی۔ مگر آپ تو بچیاں بچیاں یوں کہہ رہے ہیں۔ میں سمجھا سچ سچ کوئی ننھی منی لڑکیاں ہیں۔“

”ارے تو میرے لیے تو بچیاں ہی ہوئیں نا۔“

”جی، بجا فرمایا آپ نے۔ لو مکھلے میں ایک ننھی افواہ، ایک نیا اسکینڈل۔ پتا نہیں مسٹر حیان! تمہاری زندگی میں اتنی رنگینی دکھائی کیوں دیتی ہے۔ حالانکہ حقیقت بالکل الٹ ہے۔“

سبحان گھر آکر بڑی بے قراری سے حیان کا انتظار کر رہا تھا۔

”آخر کتنا کیا ہے تمہیں اس سے۔ جب سے آئے ہو، بار بار دروازے کے چکر کاٹ رہے ہو۔ کہہ تو رہی ہوں، مرزا صاحب کے مہمانوں کو لینے اسٹیشن گیا ہے اور ٹرین پورے ٹائم پر تھوڑا ہی آجائے گی۔“

”امی کو اس کی بے قراری پر ابھن ہو رہی تھی۔“

”ان مہمانوں کو بھی آج ہی آنا تھا۔“ وہ گرنے کے انداز میں پلنگ پر بیٹھ گیا۔

”دھیان سے پرانا ہے، ٹوٹ نہ جائے۔“ داوی نے فوراً ”ٹوٹا تھا۔“

”نیا بنوا دوں گا۔“

”ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ مفت میں بٹ رہے ہیں۔“

اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا، پسینے میں شرابور حیان چلا آیا۔

”ہائے، پالی پلو!۔ نمک بھی ڈال دینا۔ ہائے مرزا! اس زندگی میں تو میں مجبور ہوں، روز قیامت تیرا گریبان ہو گا اور میرا ہاتھ۔“

”قیامت بہت دور ہے۔ تم پہلے دوسرے کمرے میں آؤ اور میری شرٹ اتار کر دو۔“

”توبہ توبہ، بھائی نڈھال ہے اور تمہیں شرٹ کی

پڑی ہے۔ میں نہیں دیتا۔" حیان بیٹھے سے لیٹ گیا۔
 "اٹھ نا، آجا میرا چاند۔ سجان نے اشارہ کیا اور سمجھ کر حیان فوراً "دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"یار! بڑی اہم خبر ہے۔"
 "کیا کئی کے کلر پر نیاز مٹ رہی ہے؟"
 "نہیں یار! اب خبر اتنی بھی بڑی نہیں۔ بس وہ جو

میرا دوست ہے نا کامران، اس کے انکل کا اپنا بزنس ہے۔ جو کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ کامران کو تو تم جانتے ہو، میرا کیسا پیارا دوست ہے۔ بڑی منت کی اس نے اپنے انکل کی اور وہ مجھے اپنے ساتھ دو بی لے جانے پر تیار ہو گئے ہیں۔ وہاں مجھے اپنے آفس میں کام دیں گے پھر بزنس ٹور پر یو کے روانہ کریں گے۔ بس پھر میں جانوں اور میرا کام۔"

"جج۔" حیان کو یقین نہیں آیا۔
 "ارے پہلے پہل مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا مگر آج ہماری تیسری ملاقات تھی۔ پاسپورٹ وغیرہ سب کامران نے بنوا دیا ہے۔ یار! وہ واقعی میرا بہترین دوست ہے۔ پیسے والا ہو کر بھی بڑا دل رکھتا ہے۔"
 "چھا تیسری ملاقات تھی، مجھے اب بتایا جا رہا ہے۔"

"خفا مت ہو، میں پوری تسلی کرنے کے بعد بتانا چاہتا تھا۔ ویسے ابھی گھر میں ذکر نہ کرنا۔"

"میں تمہاری کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں بھائی!"

"خیر۔ تمہاری دعاؤں سے مجھے کیا... پتا ہے وہ قبول ہو ہی نہیں سکتیں۔"

شام کو دادی مہنگائی کا رونا رو رہی تھیں۔ سجان اپنے مخصوص انداز میں انہیں آنے والے سنہری دور کی تصویر دکھا کر مزید غصہ دلایا تھا۔ جب مرزا صاحب کی تینوں مہمان لڑکیاں خوبصورت رنگوں کے لباس زیب تن کیے آپہنچیں۔
 "میں! کیا یہ گھر ہے حیان کا؟" رہنمائی کے لیے

ساتھ آنے والے بچے سے سوال کیا۔
 "ہاں جی، وہ سامنے تو بیٹھے ہیں۔" بچے نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکیوں نے حیان کی پرسنالٹی کو ذہن میں رکھ کر کچھ اور ہی سوچا تھا۔ یہ چھوٹا سا خستہ حال مکان جیسے حواسوں پر بجلی بن کر گر رہا۔

"یہی ہیں وہ آفت کی پرکلاں۔ میری ساری دوسر بریاد کر دی۔" حیان نے سجان کی جانب جھک کر تعارف کروایا۔

"چلو، کوئی بات نہیں۔ تم نے بھی تو مرزا صاحب کے دیے پیسوں سے کافی رقم بچالی ہے۔"

"تو اور کیا، اسٹیشن سے آدھے راستے تک انہیں وین پر لایا پھر آگے سے ٹیکسی لے لی۔ یہ کہہ کر کہ اسٹیشن پر جو ٹیکسیاں کھڑی ہوتی ہیں، ان کے ڈرائیور بڑے مفکوک قسم کے ہوتے ہیں۔ پورے سو روپے بچے ہیں۔ آج شام آپ سب کو آکس کریم کالڈریک کھلانے کا ارادہ تھا کہ یہ چلی آئی ہیں۔"

"او بچو! رک کیوں گئیں؟" امی سواگت کو بردھیں۔ سامہ نے بھی پیروی کی جبکہ دادی لڑکیوں کی چست قمیصوں اور گلے میں جھولتے دوپٹوں کو ناگواری سے دیکھنے میں مصروف تھیں۔

"حیان! آپ نے بتایا ہی نہیں، آپ اس گھر میں رہتے ہو۔" ان میں سے ایک چارپائی کے کنارے پر تکلف سے بیٹھنے لگیا ہوئی۔

"آپ نے پوچھا کب تھا۔ ویسے اس گھر میں کیا خرابی ہے؟" وہ ساری توجہ چائے کی جانب رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ہائے، یہ بھی کوئی گھر ہے۔ لگتا ہے آثار قدیمہ دیکھ رہے ہیں۔"

"یہاں تو ہم عارضی طور پر رہ رہے ہیں۔ ہمارا جو اصل گھر ہے وہاں تو ہم مہمانوں کی پہلے لوقت دیکھتے ہیں پھر انشوری کی اجازت دیتے ہیں۔" سجان شاہانہ انداز میں بتا رہا تھا۔

"آپ یقیناً حیان کے بھائی ہیں۔" لڑکیوں کو حیان

کی طرح سجان کی پرسنالٹی نے بھی کافی متاثر کیا۔
 دروازے پر دستک ہوئی۔

"لگتا ہے کوئی انجان ہے، ورنہ دروازہ تو کھلا ہے۔"

حیان یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر جھانک کر دیکھا۔ انکل امجد اپنی بڑی سی شاندار چمکتی دھمکتی گاڑی میں جلوہ افروز ادھر ہی دیکھ رہے تھے جبکہ ان کا ڈرائیور دروازے پر ایک لفافہ لیے کھڑا تھا۔ اس نے انکل تک جا کر انہیں مودبانہ سلام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ سوالیہ انداز میں ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ جی صاحب کی جانب سے، نیا بنگلہ بنایا ہے، وہیں پر دعوت ہوگی۔" اس نے اس بڑے سے لفافے میں سے ایک چھوٹا لفافہ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ حیان نے لفافہ پکڑا اور انکل امجد کی جانب دیکھے بغیر اندر آگیا۔

"کیا ہے پھر کسی کی شادی کا کارڈ۔ پتا نہیں لوگ ابھی موسم تک انتظار کیوں نہیں کر سکتے۔" سجان نے تبصرہ کیا۔

دادی بولیں۔ "کون تھا، میں نے گاڑی کی آواز بھی سنی ہے۔"

"حضرت امجد موسیٰ صاحب تشریف لائے ہیں۔"

"امجد آیا ہے۔ ارے اٹھو لڑکیو! جگہ خالی کرو۔"

دادی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ امی بھی جلدی جلدی چائے کے خالی برتن سمیٹنے لگیں۔ سامہ نجانے کیوں اندر کی جانب لپکی۔ مہمان لڑکیاں اس افراتفری سے گہرا کر ایک جانب کھڑی ہو گئیں۔ حیان نے کچھ دیر تماشا دیکھا پھر بولا۔

"ہم ملے تو مکمل ہونے دیا کریں۔ امجد آیا نہیں آیا تھا۔ اب چلا گیا ہے۔"

"افوہ۔" دادی ایک خفت کے ساتھ دوبارہ براجمان ہو گئیں۔

"کون ہیں یہ صاحب؟" لڑکیوں میں سے ایک نے سامہ بنگامے سے متاثر ہو کر سوال کیا۔

"میرا رشتہ کا بھانجا ہے۔ عمارتیں بنوانے کے لیے لیتا ہے۔ بڑا کاروبار ہے اس کا۔ بہت پیسے والا

ہے۔ ادھر تو کبھی کبھار ہی چکر لگتا ہے۔"
 "جی ہاں، مجھے یاد پڑتا ہے۔ آج سے پہلے ابامی وفات پر ہی آئے تھے۔" سجان نے سر ہلایا۔

"آج بھی وہ کب آئے ہیں۔ ڈرائیور کے ہاتھ کارڈ بھیجا ہے۔ خود گاڑی میں بیٹھے رہے۔ یقیناً کسی امیر رشتہ دار کے ہاں جلوہ افروز ہونا ہو گا۔ راستے میں ہمارا دولت خانہ پڑنا ہو گا اس لیے صدر دروازے پر مجبوراً" گاڑی سمیت چلے آئے۔" سجان یہ کہتے ہوئے لفافہ پھاڑ کر کارڈ نکال چکا تھا۔

"لیجئے کارڈ ہی بتا رہا ہے کسی امیر لیکن ان پڑھ کی چوائس ہے۔" اس نے شوخ سا کارڈ لہرایا۔

"پڑھو تو، کس کی شادی ہو رہی ہے۔" امی نے اپنی دلچسپی کا سوال کیا۔

"شادی نہیں، نیا غریب خانہ بنایا ہے۔ امجد انکل نے۔ بس اسی کی خوشی میں سب کو مدعو کیا ہے اور آپ کو تو پتا ہے، ایسے موقعوں پر غریب رشتہ داروں کی آنکھوں کی حیرت اور حسرت ہی تو مزہ دیتی ہے، اسی لیے ہمیں بھی بلوایا ہو گا۔"

"اچھا جی۔ ہم چلتے ہیں۔" تینوں لڑکیاں اس گھر سے مایوس ہو کر اجازت مانگنے لگیں۔ دادی رکنے کو کہنا چاہتی تھیں مگر اس سے پہلے سجان نے بخوشی اجازت دے دی۔

"کچھ تمیز کرو۔ مرزا صاحب سے محلے داری ہے۔ کیا سوچیں گے، میری بچیوں کو چائے تک نہیں پلائی گئی۔"

"ارے تو مرزا صاحب کون سا ہمارے واری صدقے جاتے رہے ہیں۔ جب کبھی کام پڑتا ہے تب ہم یاد آجاتے ہیں۔" سجان کے انداز میں لاپرواہی تھی۔

"امی! کیا ہم جائیں گے امجد انکل کے ہاں؟" سامہ پوچھ رہی تھی۔

"کیوں نہیں، ضرور چلیں گے۔" یہ جواب سجان کا تھا۔

"پھر مجھے نیا سوٹ اور نئی جوتی لے کر دیں۔" وہ

نروٹھے پن سے گویا ہوئی۔

”تھوڑے مہینے کی بات ہے پھر تمہاری وارڈروب چھوٹی پڑنے لگے گی۔“

”وارڈروب ہے ہی کہاں بھیا!“ وہ اکٹھا ہٹ سے بولی۔

”آئے والو وقت بہت کچھ لارہا ہے لڑکی!“

”بس چپ کر جاؤ۔“ امی نے ڈپٹ کر سبحان کو خاموش کروا دیا۔

”اماں! کیا خیال ہے، جائیں یا نہیں؟“

”بہو! دل تو نہیں مانتا مگر اللہ کا حکم ہے۔ رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھو، اس لیے انکار بھی نہیں کر سکتی۔“

”میں ان پھینچ پھینچوں کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔“ سامہ نے دہائی دی۔

”تمہارے لیے ہم دونوں بھائی کوئی نہ کوئی انتظام کر دیں گے۔ اندازاً کتنی رقم درکار ہے تمہیں؟“

”پتا نہیں سبحان بھائی! میں نے کب خریداری کی ہے۔“

”خبردار، محنت بھی کرو گے تو اس فضول خرچی کے لیے سامہ کا جانا کچھ اتنا ضروری بھی نہیں۔ میں اماں اور ساتھ میں حیان چلا جائے گا۔“ امی نے پروگرام طے کر لیا۔

حیان کے اندازے کے عین مطابق نیوہ تقریب میں موجود تھی۔ وہی لیادیا انداز اور معصوم مگر مغرور حسن کے ساتھ۔ اس لڑکی کو دیکھ کر ہی اسے اپنی کم مائیگی کا افسوس ہوا کرتا تھا۔ وہ بہت مضبوط دل و ذہن کا لڑکا تھا مگر یہ نازک سی لڑکی اسے بے بس کر دیتی تھی اور

اوجھڑاس کی نظروں کے حصار کو محسوس کرتے ہی اس کی پیشانی پر شکنیں اور آنکھوں میں غصے کی شدت سے شرارے بھی بھرنے لگتے تھے۔

”امی! یہ نیوہ ہے۔“ جب وہ سر جھٹک کر اپنی سیٹ چھوڑنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ حیان نے امی کو بتایا تھا۔

”جی ہاں! ہر کوئی یہی کہتا ہے۔“ اس نے اوجھڑا دھڑکے سے لہجے میں کہا۔

”ارے اتنی بڑی ہو گئی۔ دیکھنا تو اماں! کیسی پیاری لگ رہی ہے۔“ اور دادی نے یہیں بیٹھے بیٹھے گواہ لگا دی۔

”اے ہے بچی! ذرا ادھر تو آنا۔ آخر کورشتے میں تمہاری دادی لگتی ہوں۔“ وہ بادل خواستہ چلی آئی اور قریب آکر سوالیہ انداز میں دادی کی جانب دیکھنے لگی۔

”بچی! کسی نے یہ نہیں بتایا کہ بیویوں کو سلام کرتے ہیں۔ میں تمہاری دادی اور یہ ممالی لگتی ہے۔ ساتھ میں اس کا بیٹا ہے۔ یہ بھی تم سے بڑا ہے۔“

”سلام!“ اس کا انداز بھرپور بیڑاری لیے ہوئے تھا اور حیان کا جواب اتنا ہی پر جوش اور پر خلوص تھا۔

”بیٹھو نا۔“ امی کو اس کے ناز خمرے نے بھی بد دل نہیں کیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے اس کی پیاری صورت کو تنک رہی تھیں۔

حیان کو جھکا سا لگا۔ جب اسے کرسی پر امی کے سامنے بیٹھتے دیکھا۔ دل میں سوچا۔ لڑکی مروت سے اتنی بھی عاری نہیں ہے، جتنا کہ میں نے اندازہ لگایا تھا۔

”تمہاری امی بڑی اچھی خاتون تھیں۔“

”جی ہاں! ہر کوئی یہی کہتا ہے۔“ اس نے اوجھڑا کسی کی تلاش میں نگاہ دوڑاتے ہوئے بڑے بے تاثر سے لہجے میں کہا۔

”تمہارے اماں تمہارا خیال تو رکھتے ہیں بچی؟“ دادی کے لہجے میں اس کے لیے بڑی محبت اور فکر تھی۔

”وہ میرے والد ہوتے ہیں۔ خیال کیوں نہیں رکھیں گے۔“ نیوہ کو یہ سوال خاصا بے تکا محسوس ہوا تھا۔

”میرا مطلب تھا کہ ماں نہ رہے تو باپ بھی بدل جایا کرتے ہیں۔“

”جی! میں چلتی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ تینوں میں سے کوئی روک نہیں سکا۔

یہ بارلی بھی ہمیشہ جیسی ہی رہی۔ امیر رشتہ داروں کی خوش گپیاں، شیخیاں اور مستقبل کے پلان۔ امی اور

دادی ہمیشہ کی طرح رشتہ داروں کے رویوں پر رنجیدہ ہوتی رہیں۔ وہ تو آیا ہی نیوہ کے لیے تھا۔ اس کی نگاہیں اس کا پتہ کرتی رہیں۔

انگل احمد کو سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے اس نے بھی دیکھا تھا مگر بہت فاصلے پر ہونے کی وجہ سے کچھ اندازہ نہیں لگا سکا۔ وہ تو جب ان کے قریب کھڑے افراد اپنی اپنی گفتگو چھوڑ کر ان کی جانب لپکے، تب اسے بھی معاملے کی خرابی کا احساس ہوا۔

انگل احمد کی حالت دیکھ کر نیوہ رونے لگی تھی اور بہت سے افراد اسے تسلی دینے میں مصروف تھے۔

انگل احمد کی گاڑی اور ڈرائیور تو موجود تھا۔ انہیں اسپتال لے جایا جانے لگا۔ تب دادی نے حیان کو اشارے سے ساتھ جانے کو کہا۔

صرف وہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں جا رہے تھے۔ امی اور دادی نے کہہ دیا۔

”ہماری فکر مت کرنا، ہم رکشہ لے کر گھر چلے جائیں گے۔ بس تم احمد کا خیال رکھنا۔“

احمد صاحب کو بارٹ کا ہلکا سا ٹیک ہوا تھا۔ ڈاکٹروں کے مطابق فکر والی کوئی بات نہیں تھی مگر رات تو انہیں اوجھڑا رہنا تھا۔ جوں ہی چیک اپ کے بعد انہیں روم میں شفٹ کیا گیا، سب ہی ایک ایک کر کے جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔

”انگل! آپ تو رک جاتے۔ بھائی جان! آپ ہی پلیز دیکھیے ناں، میں اکلی ہوں۔ ڈاکٹروں نے تو تسلی دی ہے مگر میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔“ جو بھی نیوہ کے پاس جانے کی اجازت کے ساتھ آتا، وہ التجائیہ انداز میں یہی فقرے دہراتی اور جواب میں سب اپنی اپنی مجبوریاں بیان کرنے کے بعد تسلی دیتے۔

”جب ڈاکٹر کہہ رہے ہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں پھر تم کیوں گھبراتی ہو۔ دیکھ لینا، صبح تک تمہارے اماں بالکل ٹھیک ہو جائیں گے اور ہم بھی کل ضرور چکر لگائیں گے۔“

آہستہ آہستہ سب چلے گئے۔ اب یہاں کارڈیور میں نیوہ کے پاس ڈرائیور اور حیان ہی تھا۔

”آپ نہیں گئے؟“ سب کے جانے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

”نہیں، میں رات یہیں ٹھہروں گا۔“

”شکریہ لیکن ڈرائیور موجود ہے۔“

حیان بھی اس کے لیے ڈرائیور کی طرح ہی بالکل اس سے بھی بڑھ کر انجان تھا۔ ایک ایسا شخص جس سے کبھی کبھار خاندان کی کسی تقریب میں سرسری ملاقات ہو جاتی تھی اور جو اپنی اوقات بھول کر چاند کا

تمنائی بن بیٹھا تھا۔ نیوہ کو اس سے ہمیشہ الجھن ہی ہوا کرتی تھی بلکہ سارے ہی غریب رشتہ داروں کو دیکھ کر وہ ایسے ہی احساسات سے دوچار ہوا کرتی تھی۔ ان کی محبتیں بتاؤنی لگتیں۔ ”غرض کے غلام تعلقات بنانے کے چکر میں رہتے ہیں ابا سے“ اسی لیے ملتے ہیں کہ

شاید کچھ میسے ہی ہاتھ پر رکھ دیں۔ کام چور، کھٹو۔“ وہ دل ہی دل میں انہیں ایسے ہی القابات سے نوازا کرتی تھی۔ یہ بھی شکر کہ ان کی فیملی میں سے اکثریت اب کھاتے پیتے گھرانوں کی تھی۔ کچھ خاندانوں میں سے

لڑکے بیرون ملک چلے گئے۔ کچھ نے پاکستان میں ہی جائز ناجائز طریقوں سے پیسہ اکٹھا کر لیا۔ تعلیم کی شرح اس خاندان میں کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں تھی مگر پیسہ اتنا ضرور تھا کہ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ڈینگیں مار سکیں۔

ساری رات نیوہ بے چینی سے شملتی رہی۔ ڈاکٹر نے تسلی دی تھی مگر وہ بٹی تھی۔ باپ کی بیماری نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ ڈرائیور باہر پارکنگ میں چلا گیا تھا جبکہ حیان نیوہ کے پاس ہی تھا۔

صبح ہوئی تو ملنے والے آنے لگے جو آئیں سکے، موبائل پر حال احوال دریافت کر رہے تھے۔ نیوہ خاصی مصروف تھی۔

وہ کسی سے بات کر کے فارغ ہوئی تو حیان چلا آیا۔

”میرا خیال ہے، اب مجھے چلنا چاہیے۔“ یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر تھکن مگر بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ بھی تھی۔ نیوہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور

بڑی سنجیدگی سے بولی۔

”بہت شکریہ۔ رات آپ نے ہمارے لیے خاصی تکلیف اٹھائی۔ ویسے اس کی ضرورت تو نہیں تھی۔ میرا ملازم تھا میرے پاس اور ایمر جیسی کی صورت میں کال کر کے میں کسی بھی جاننے والے کو بلوا سکتی تھی۔ بہر حال پھر بھی آپ کا شکریہ۔“

”تو مجھے اجازت۔“ اس کا چہرہ اور انداز دونوں ہی حیان کو بھی سنجیدہ کر گئے۔

”ایک منٹ۔“ وہ شولڈر بیگ کھولنے لگی پھر اس نے ایک ہزار کانوٹ نکال کر حیان کی جانب بڑھادیا۔ ”کچھ منگوانا ہے کیا؟“ فوری طور پر یہی خیال ذہن میں آیا۔

”نہیں، میرا ملازم موجود ہے۔“ اس نے پھر حیاتیا اور بولی۔ ”یہ تو تمہارے لیے ہے۔ آخر رات تم نے یہاں کال ہے۔ بہت شکریہ۔“

گردن کو ذرا سا ایک جانب جھکا کر پھر غور انداز میں وہ آگے بڑھنے لگی تھی۔ تب حیان نے آواز دے ڈالی اور جو نوٹ اس نے اس لیے تھام لیا تھا کہ شاید وہ کچھ منگوانا چاہتی ہے دوبارہ اس کے ہاتھ پر رکھ کر وہ خاموشی سے لوٹ آیا۔

ساری رات جاگ کر بھی اتنی تھکن نہیں ہوئی تھی جتنی نیو کے روئے نے بخشی تھی۔

”میرے خلوص کا کتنا غلط مطلب لیا اس نے۔ کیا سمجھا اس نے مجھے۔“ اس کے سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔

اپنی گلی میں آکر اس نے یہاں ایک دوسرے کے برابر میں کھڑے مکانوں کو دیکھا۔ یقیناً اس گلی کا سب سے پرانا مکان اسی کا تھا۔ مرمت کو ترستا ہوا ایک منزلہ مکان کتنا غریب اور برا محسوس ہوتا تھا۔ گلی کی شان پر دھبے کی طرح اور ایسے ہی ہم ہیں۔ امیر رشتہ داروں کے لیے باعث شرمندگی۔

”اے حیان! امیر کی اماں کو بلا دے۔“ وہ روئے سے رکشہ تو لا دینا۔“ دروازے میں کھڑی ایک خاتون پکار رہی تھیں اور اس نے جو چاہے کھلے والے پریشہ ہوں کسی نہ کسی کام کے لیے ہی بلا رہی ہیں، ان کی آواز پر

لیکھ کہنے کے بجائے وہ گھر کی جانب چل پڑا۔ ”برخوردار! کہاں جا رہے ہو؟ اب سلام دعا کے بھی روا دار نہیں رہے۔“ یہ گلی میں بنے سب سے اونچے مکان میں رہنے والے ایک صاحب تھے۔ کبھی ٹھیکیداری کرتے تھے، اب یہ کام بڑے بیٹے نے سنبھال لیا تھا۔ چھوٹے دونوں سارا دن آوارہ گردی کرتے تھے اور اب حضور دوسروں پر تنقید کا دلچسپ مشغلہ اپنائے ہوئے تھے۔ آج سے پہلے حیان نے ان کے پیچھے فقروں کو ہنسی میں اڑایا تھا مگر آج وہ بہت حساس ہو رہا تھا۔ ایسی باتیں دکھ میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔

گھر میں داخل ہوا، امی سامنے برآمدے میں بیٹھی سڑی بنا رہی تھیں۔ دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں اور بولیں۔

”خیر تو ہے۔ احمد بھائی ٹھیک ہیں نا۔ تم اس طرح کیوں چلے آ رہے ہو۔“

”سب خیریت ہے امی! بس تھک گیا ہوں۔“ وہ یہیں برآمدے کی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ امی، سامہ کو آوازیں دینے لگیں۔ وہ آئی تو بولیں۔

”بھائی کو ناشتا بنا دو، بہت تھک گیا ہے میرا بیٹا۔ ساری رات جاگتا رہا ہو گا۔“

داوی بھی آواز سن کر چلی آئیں اور احمد صاحب کی خیر خیریت پوچھنے لگیں۔

سبحان رات کو گھر آیا تھا۔ حیان نے ساری بات اسے بتائی اور کہا تھا۔

”وہ میرے اندازے سے بڑھ کر مغرور اور بد دماغ ہے۔“

”سارے دولت مند ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں باہر چلا جاؤں پھر تم لوگوں کے دماغ بھی ایسے ہی ہو جائیں گے اس لیے زیادہ ٹینشن مت لو۔“

”آج امی اور داوی مجھ سے کہتی رہیں احمد سے ملنے جانا ہے مگر میں لے کر نہیں گیا، نہ ہی آئندہ جاؤں گا۔“

یہ فریضہ تم نبھاسکتے ہو تو نبھالو بڑے بھائی۔
 ”ہاں۔ دیکھیں گے۔ اصل میں ہم ذرا مصروف
 بندے واقع ہوئے ہیں۔“ سبحان یہ کہتے ہوئے بھائی
 کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور بولا۔
 ”یار! کوئی گانا ہی سناؤ۔ پردیس میں جا کر جب
 تمہیں یاد کرنا چاہوں تو یادوں کی پٹاری میں کچھ تو ہو۔“
 ”بور نہیں کرو یار! اس وقت تو مجھے گانا نہیں
 گالیاں یاد آ رہی ہیں جو میں سارے مغرور بد مزاج
 لوگوں کو دینا چاہتا ہوں۔“
 ”لو! اب بس کرو۔ اتنا سوگ نہ مناؤ۔ ہو گئی غلطی
 اس سے۔ چلو ایک دولت مند کی طرف سے دوسرا
 دولت مند معافی مانگتا ہے۔“
 ”نہیں نہیں میں معاف نہیں کر سکتا۔“
 ”نہیں تو نہ سہی۔ ہماری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔
 چلو چل کر سوؤ اور مجھے بھی سونے دو۔ کل ایک خواب
 دیکھنا شروع کیا تھا جب رنکین ہونے لگا ایک بد تمیز چمچر
 نے دخل اندازی کر کے نیند حرام کر دی۔ آج میں وہیں
 سے سلسلہ جوڑوں گا اور دوبارہ دیکھوں گا۔“

ای اور داوی روزانہ ہی لڑکوں سے نیوہ کے ہاں چلنے
 کو کہتی تھیں۔ سبحان فارغ نہیں ہوتا تھا۔ حیان ماننا
 نہیں تھا۔ حالانکہ وہ اتنا ضدی کبھی نہیں رہا تھا۔
 آخر ہفتے کے بعد سبحان وقت نکال کر انہیں لے
 جانے پر راضی ہوا جس وقت یہ لوگ ان کے گھر پہنچے
 احمد صاحب کے کچھ ملنے والوں کے علاوہ ایک مولیٰ سی
 خاتون بھی موجود تھیں جو ان کی تیمارداری میں قابل
 اعتراض حد تک آگے آگے تھیں۔ خاص کر جب
 انہوں نے احمد کو سہارا دے کر جو س پلانے کے لیے
 بٹھایا اور پھر خود بھی ان کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئیں تو یہ
 دونوں خواتین سبحان کی موجودگی میں یہ سب دیکھتے
 ہوئے شرم سے پائی پائی ہوئے لگیں۔

خود سبحان بھی ان کے انداز و اطوار کو گہری نظر سے
 دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ نیوہ آج الگ

تھلگ اور خاصی بھیجی بھیجی سی بیٹھی ہے۔ مہمانوں
 کی تواضع میں بھی یہی خاتون پیش پیش تھیں۔
 ”آپ کا نام کیا ہے؟“ ان کو ان تینوں افراد کے
 خوبصورت چہروں نے متاثر کیا تھا اور پوچھ وہ سبحان
 سے رہی تھیں۔ جواب میں اس نے نام بتادیا۔
 ”کیا کرتے ہو؟“ اگلا سوال ہوا۔
 ”تین دن کے بعد دوبارہ جابا ہوں وہیں جاب ہے
 میری۔“ اس کے جھوٹ پر ای اور داوی تلملا کر رو
 گئیں۔
 اور ادھر خاتون نے ان کے حلیوں کو ذرا حیرت سے
 دیکھا بولیں کچھ نہیں۔
 احمد صاحب کے لیے سوپ لینے وہ باہر نکلیں تو
 سبحان بھی باہر آگیا اور بولا۔
 ”اس گھر کو ایک ذہین اور باوقار خاتون کی کس قدر
 ضرورت تھی۔ آج آپ کو دیکھا تو سکون ہوا۔
 الحمد للہ۔ وہ کمی پوری ہو گئی ہے۔“
 اب کے خاتون بہت ہی محبت سے مسکرائیں اور
 بولیں۔

”تم ان کے رشتہ داروں میں سے پہلے ہو جس سے
 میں مل رہی ہوں ورنہ وہ تو ہر کسی سے یہ بات یوں
 چھپائے ہوئے ہیں جیسے کوئی گناہ کر بیٹھے ہوں۔“
 ”بزدل ہیں۔“ سبحان نے آگے کو جھک کر
 رازداری کے عالم میں پردہ اٹھایا۔ انہوں نے اثبات
 میں سر ہلایا اور بولیں۔
 ”اور یہ ان کی بد مزاج بیٹی مجھے قبول ہی نہیں
 کر پائی۔ جب سے آئی ہوں منہ پھلار کھا ہے۔“
 ابھی ان میں باتیں ہو رہی تھیں کہ نیوہ چلی آئی اور
 انہیں یہاں دیکھ کر ملازموں کو پکارنے لگی۔
 ”دیکھا۔ اس طرح انسلٹ کرتی ہے میری۔ خود
 سے بات بھی نہیں کرتی۔ ملازمتوں سے کہتی ہے ان
 سے کہو یہاں سے چلی جائیں۔“
 ”ہائے کتنی مظلوم ہیں آپ۔“
 ”خیر۔ ایسا بھی مت کہو میں تو احمد کی وجہ سے
 رعایت برت رہی ہوں ورنہ یہ چھو کری میری تو چٹکی

کی مار ہے۔“

”آپ رہتی کہاں ہیں۔ دوبارہ ملاقات کو جی چاہئے
 لگا ہے۔“
 ”اب تو یہیں رہوں گی۔ آخر احمد نے نکاح کیا
 ہے۔ میں کیوں کسی سے ڈروں ڈٹ کر رہوں گی۔“
 ”کب کیا نکاح؟“ وہ یہی تو جاننے کی کوشش میں
 تھا۔
 ”دو ہفتے قبل۔“
 ”کہیں ان کے دل کے دورے کا سبب آپ تو
 نہیں۔“

نیوہ ملازموں کو پکار کر فوراً ہی واپس جا چکی تھی۔
 اس سوال پر خاتون نے ادھر ادھر دیکھا پھر فلک شکاف
 قہقہہ لگایا اور بولیں۔
 ”نہانی بوائے! تم مجھ سے ملنے ضرور آیا کرو تمہاری
 کمپنی یقیناً مجھے اچھی لگے گی۔“

واپسی پر سبحان نے ای اور داوی کو اس خاتون کے
 بارے میں بتایا تھا جس نے اپنا نام واجدہ بتایا تھا۔ سن کر
 دونوں کو جھٹکا لگا۔

”احمد نے نکاح کیا ہے اس کے ساتھ اور خاندان
 میں کسی کو بتایا تک نہیں۔ کیوں؟ آخر چھپانے کی کیا
 وجہ ہے؟“

”مجھے یقین ہے نکاح تو انہوں نے کر لیا مگر فوراً
 بعد انہیں اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا اسی لیے بتایا
 نہیں۔ وہ یقیناً اسے چھوڑنے کی کوشش میں ہیں جبکہ
 واجدہ بیگم ایسا نہیں چاہ رہیں۔“
 ”تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا؟“

”ان دونوں کے رویوں کو دیکھ کر۔ انکل تو واجدہ بیگم
 کو اپنے قریب دیکھ کر ہی کھچاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔
 دوسری طرف وہ ہیں کہ چڑھتی ہی جاتی ہیں۔“

”ہائے بے چاری بچی نیوہ کیسے الگ تھلگ دور دور
 رہی تھی۔ اگر مجھے وہیں پتا چل جاتا اس کے ساتھ یہ
 علم ہو رہا ہے تو اسے اپنے ساتھ ہی لے آئی۔“ داوی

باقاعدہ آبدیدہ تھیں۔

”جی ہاں وہ تو سامان باندھے تیار تھی۔ آپ اشارہ
 کرتیں جھٹ ساتھ ہوتی۔ اپنے دولت مند ابا اور
 ان کی دولت دونوں کو برے خیال کی طرح جھٹک
 دیتی۔“

”بے چاری مظلوم بچی اکیلی ہے۔“ ای اور داوی
 کے خیالات بالکل ایک سے تھے۔

”مجھے تو وہ واجدہ بیگم خاصی مہربان رحم دل خوش
 اخلاق خاتون محسوس ہوئی ہیں۔“ سبحان کے اس خیال
 کو دونوں نے شدت سے غلط قرار دے دیا۔

آنے والے دنوں میں ای اور داوی کا ایک ہی
 موضوع گفتگو رہا۔ ”مظلوم بچی اور ظالم سوتیلی ماں۔“
 حیان نے بھی یہ قصہ سنا مگر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ حالانکہ
 سبحان نے مشورہ دیا تھا۔

”جا کر ایک مرتبہ مل لو ہو سکتا ہے سوتیلی ماں نے
 تربیت پر بھی توجہ دے کر سدھار دیا ہو۔“ مگر اس نے
 کوئی جواب نہیں دیا۔

ای اور داوی چند روز تک دوبارہ جانے کا پروگرام
 بنائے بیٹھی تھیں۔ ان ہی دنوں سبحان نے دہلی جانے
 کا دھماکہ کر دیا۔

”تم نے پہلے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔ بیٹھے بٹھائے
 پروگرام بن گیا اور اتنے پیسے کہاں سے آئے؟“ دونوں
 مشکوک تھیں۔

”محترم خواتین! میرے اس پروگرام سے حیان
 واقف تھا۔ آپ لوگوں کو اس لیے نہیں بتایا کہ اگر نہ
 جاسکتا تو پھر خواب ٹوٹ جاتے۔ اب انشاء اللہ پرسوں
 روانگی ہے میری۔ فی الحال ادھار پکڑا ہے دوست
 سے۔ اسی کے چچا کے پاس جا رہا ہوں بہت مدد کی ہے
 میری۔ مجھے حق دوستی ادا کر دیا ہے۔“

”ہی! میں ہمسایوں کو بھی ہتاؤں۔“ سامدہ کی خوشی
 دیدنی تھی۔
 ”ہاں شوبازی کا موقع ہاتھ سے نکل جائے یہ بھلا

برداشت کر سکتی ہو۔" حیان نے وہ بھستہ جو وہ امی کے لیے لایا تھا اٹھا کر کھاتے ہوئے کہا۔

"تو شوبازی کی کیا بات ہے۔ اتنے عرصے کے بعد تو خوشی ملی ہے ہمیں۔"

"ابھی کسی کو مت بتانا، نظر لگ جاتی ہے۔" سامہ نے دادی کی نصیحت منہ بنا کر سنی مگر پھر بیٹھ گئی۔

"جی جی۔۔۔ آدھی خوشی تو جانی رہی۔" حیان نے پھر چھیڑا۔

"امی! جب تک میں چلا نہ جاؤں، آپ نہ تو محلے میں اور نہ ہی رشتہ داروں میں ذکر کریں۔"

"ٹھیک کہتے ہو بیٹا! لوگ کسی کا بھلا ہوتا کہاں دیکھ سکتے ہیں۔"

بہت سے خواب بہت سی امیدیں تھما کر دعاؤں کی چھاؤں میں سجان چلا گیا۔

گھر میں اداسی تھی۔ دادی کی آنکھیں بار بار بھیگ جاتیں وہ یاد کرتیں۔

"ہمیشہ کہتا تھا ایک روز اس گھر کو بدل دوں گا، تم لوگ بھی بہت پیسے والے ہو جاؤ گے اور میں ہمیشہ

ڈانٹ دیتی تھی مگر وہ کتنا کیا تھا اپنی دھن کا۔ میرا مالک پردیس میں اس کی حفاظت کرے ہمارے سکھوں کے لیے گھر سے بے گھر ہو گیا ہے۔"

اور امی کو رہ رہ کر اس کا بچپن، اس کا لڑکپن اور نو جوانی یاد آ رہی تھی۔ اس کی شرارتیں، اس کی باتیں،

ہنسی۔

"میرا لال کتنی دور چلا گیا، پتا نہیں زندگی کتنی باقی ہے۔ میں اب اسے دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔" بار بار

آنکھیں بھیگ جاتیں۔ وہ سب سے چھپا کر یہ آنسو روپے کے پتوں میں سمیٹ لیتیں۔

سامہ اور اس اپنے کمرے میں لیٹی تھی، حیان صبح ہی کہیں باہر نکل گیا تھا۔

وہی سوچتی ہی اس نے فون کیا پھر تیسرے دن فون آیا تھا۔

جب شروع کر دی تھی۔ وہ خاصا مطمئن اور خوش تھا۔

پچھلے دنوں میں خبر ہوئی پھر سارے محلے میں پھیلی۔ ہر کوئی مبارکباد دینے کے بہانے آیا اور یہ پتا

کرنے کی کوشش کرتا رہا، آخر سبحان پہنچا کس طرح اور کتنی تنخواہ لگی ہے۔

"نی الحال چھ ماہ کے ویزے پر گیا ہے۔" حیان نے بتایا۔ یہ سن کر کسی کو اطمینان ہوا اور کوئی بولا۔

"اچھا اچھا مگر وزینگ ویزے پر جا کر کوئی وہاں رہ نہیں سکتا۔ میرا پنا، بھتیجا خوار ہو کر واپس آیا تھا۔"

اطلاع رشتہ داروں تک بھی پہنچ گئی، اکثریت نے اعتراض کیا۔

"اتنی قریبی رشتہ داری، ملے بغیر چلا گیا۔ ہمارا تو وہاں فلاں واقف کار، فلاں رشتہ دار رہتا ہے۔ بتا کر

جاتا، اپنا ہی بھلا ہو جاتا۔"

ویسے کچھ بھی تھا، ایک بات تھی۔ یہ گھر انہ ملنے ملانے والوں میں اچانک ہی معتبر ہو گیا تھا۔ ایک ماہ بعد سبحان نے اتنی رقم بھیجی کہ امی، دادی اور سامہ بے یقین سی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

"امی! ہم بھلا اتنے سارے پیسوں کا کیا کریں گے۔" خوشی سے بے قابو سامہ پوچھ رہی تھی۔

"میری تو اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا، حیان سے پوچھ لو۔"

"اے بچو! روپیہ جتنا بھی ہو، زیادہ نہیں ہوا کرتا۔ سب سے پہلے تو مکان کی مرمت کروائیں گے۔ موسم

بدل رہا ہے، دو تین ماہ بعد سخت سردی پڑنے لگے گی۔ اس سے پہلے پہلے کیڑ لگ جانا چاہیے ورنہ وضو کرنا بڑا مشکل لگتا ہے۔"

"دادی! ہم بڑا سا گیٹ لگوائیں گے۔"

"ضرور بچی! اللہ سبحان کو بہت خوشیوں سے نوازے۔"

"تم کیا سوچ رہے ہو حیان؟"

"سوچ رہا ہوں امی جان کہ اچھے سے سوٹ اور منگے والے جوتے خریدوں۔ ایک عدد قیمتی گھڑی بھی

کلائی پر لازمی ہے اور اس کے بعد رشتہ داروں کے گھروں کا ایک چکر لگا کر آؤں۔"

"چلو، ہٹو بھی۔ شوبازی غرور تکبر، کیا یہ اچھی چیزیں ہیں۔"

"نہیں دادی! میں کوئی شوبازی کے لیے تھوڑا ہی ہاؤس گا۔ میں تو بس ان قریبی عزیزوں کا رویہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم سے بحث ہی بے کار ہے، جو دل میں آئے کرو۔"

اور اس نے اسی روز شاپنگ کی ٹھان لی۔ سامہ بھی ساتھ چلی گئی اور دونوں نے اپنی پسند کی بہت سی شاپنگ کر ڈالی۔ واپسی پر چائنیز ریسٹورنٹ سے کھانا بھی کھایا

اور امی، دادی کے لیے ویسی کھانا یعنی بروسٹ، سٹیک، کباب اور نان پیک کروا کر لائے۔

"آج پتا چلا، زندگی کتنی خوبصورت ہے۔" سامہ بے حد خوش تھی۔

"دعا میں دو بھائی کو اور میرا نام بھی شامل کر لو کیونکہ میرے ارادے بہت اونچے ہیں۔"

"کیا آپ بھی چلے جاؤ گے۔ میں تو سبحان بھائی کے جانے سے اتنی اداس ہوں، آپ چلے جائیں گے پھر تو زندگی میں کچھ بھی نہیں رہ جائے گا۔"

"نہیں، میرا ارادہ یہیں پاکستان میں رہ کر بزنس کرنے کا ہے۔ چھوٹے پیمانے پر شروع کروں گا اور مجھے اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے۔ تم لوگوں کی دعاؤں سے بہت جلد کامیاب ہو جاؤں گا پھر بھائی کو بھی ادھر ہی بلوالوں گا۔"

امی کی خالہ زاد بہن کے بیٹے کی شادی کا کارڈ آیا تھا۔ اس مرتبہ تو خالہ زاد بہن خود کارڈ لے کر آئی تھیں۔ ان کی پانچ صاحبزادیوں میں سے بڑی دو ساتھ تھیں مگر گھر کی وہی حالت دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔

"ہم نے تو سنا تھا سبحان اب امریکہ پہنچ چکا ہے اور بہت پیسے بھیج رہا ہے۔"

"ہاں خالہ! آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔ بھائی واقعی بہت پیسہ بھیج رہا ہے لیکن ہمیں بزنس اشارت کرنا ہے، اس لیے ادھر ادھر ضائع نہیں کر رہے۔"

آج تو حیان نے بڑی متانت سے جواب دیا تھا۔

"سچ کہتی ہوں باجی! میں تو آپ کے لڑکوں کی ہمیشہ تعریف کرتی رہی ہوں۔ کتنی غربت تھی آپ کے گھر میں مگر دونوں بچوں نے محنت بھی کی، تعلیم بھی حاصل کی۔ خاندان میں دولت تو ہے مگر آپ کے لڑکوں جتنا لائق اور کوئی لڑکا نہیں۔ دونوں نے اعلا تعلیم حاصل کی ہے۔ سبحان کو امریکہ میں نوکری بھی اسی حساب سے ملی ہوگی۔"

"وہ وہاں جا کر بھی ساتھ میں کوئی کورس کر رہا ہے۔" دادی نے فخر سے اطلاع دی۔

"ماشاء اللہ۔" ان کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی بولیں۔

"میرے بچوں کو بھی پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ خاص کر یہ دونوں لڑکیاں۔ بہت اچھا پڑھ رہی ہیں اور کہتی ہیں، کاش کوئی وسیلہ بن جائے۔ باہر جا کر بھی پڑھ سکیں۔ اکیلی لڑکیوں کو تو بھیجتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ یہی سوچتی ہوں، باہر کے رشتے مل جائیں پھر وہاں جا کر اپنے شوق بھی پورے کر لیں گی۔"

امی مسکرا دیں۔ جواب میں کچھ نہیں کہا جبکہ سامہ کو ان کی چالاکی پر سخت غصہ آیا تھا۔ یہی ہمیشہ آج سے پہلے کبھی سامہ کو ملنے کی روادار نہیں تھیں اور آج کیسے دوستی کے موڈ میں تھیں۔ مسکرا کر باتیں کر رہی تھیں، بار بار پاس بلاتیں۔ وہ اسے متاثر نہیں لگیں۔

"اور تم سناؤ، ان کے آپا کی ملازمت تو ٹھیک جارہی ہے؟" دادی نے ان کے مشہور زمانہ رشوت خور شوہر کے بارے میں دریافت کیا۔

بولیں۔ "اللہ کا کرم ہے، ملازمت ٹھیک جارہی ہے۔ بیٹے کی شادی کے بعد ہم لوگ اپنا تیسرا مکان شروع کرنے والے ہیں۔ زمین تو پچھلے سال لے لی تھی، بس پھر شادی کی مصروفیت شروع ہو گئی۔ اس طرف دھیان نہیں دے سکے۔"

"اچھا، دو مکان پہلے بھی ہیں تمہارے؟" دادی نے دلچسپی سے پوچھا جبکہ حیان کو ان کے تجتس پر جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔

”ہاں جی! اچھی خاصی کوٹھیاں ہیں ہماری۔ ایک میں رہ رہے ہیں، دوسری کرائے پر ہے، تیسری بھی کرائے پر چڑھا دیں گے۔“

وہ خاصی دیر بیٹھی رہیں۔ یہ وہی گھر تھا جس کے درو دیوار پرانا عام سا فریچر رشتہ داروں کو کوفت میں جٹلا کرتا تھا۔ وہ یہاں آنے کے بھی رودار نہیں تھے مگر آج انہیں کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔

اور اس مرتبہ شادی میں شرکت بھی ایک نیا تجربہ تھا۔ قیمتی لباس کے ساتھ ساتھ امی نے ہلکا سا گولڈ کا سیٹ پہن رکھا تھا۔ سامہ پارٹی میک اپ یوٹی پارلر سے کروا کر آئی تھی جس پر امی اور دادی نے اچھا خاصا ڈانٹا تھا۔ حیان کو بھی اچھا تو نہیں لگا مگر خاموش رہا۔ ڈانٹا تو نہیں اتنے بدلے ہوئے جیسے پر مذاق ضرور اڑایا مگر وہ مطمئن تھی اور ان سب نے بڑے اعتماد سے مندی کی تقریب میں شرکت کی۔ ایسی تقریب میں حیان اور سبحان کی ضرورت تو ہمیشہ رہا کرتی تھی مگر آج انداز جدا تھا۔

”ارے محفل کی رونق تو اب دوبالا ہوگی۔“ کسی نے دیکھ کر نعرہ لگایا تھا۔

”آئیے آئیے، کب سے انتظار کر رہے ہیں۔“

”جگہ چھوڑو یہاں حیان بیٹھے گا۔“

”ارے اماں جان! ٹھہریے، میں آپ کے لیے بیس کرسی منگوا دیتی ہوں۔ سامہ بیٹا! کھڑی کیوں ہو، جاؤ ادھر بہنوں کے پاس جا کر بیٹھو۔“

”واہ ری دنیا! واہ رے زمانے۔“ حیان نے یہی سوچتے ہوئے محفل پر نگاہ دوڑائی تھی اور پھر وہ نظر پٹی نہیں۔ نیو پر ہی رک گئی۔ پہلے ہی کی طرح قیمتی لباس میں خوبصورت سی جیولری پہنے سیاہ چمک دار بالوں کو شانوں پر بکھرائے ہوئے ”مگر وہ آج پہلے سے اتنی مختلف کیوں دکھائی دیتی ہے۔ آج اس کے چہرے سے

اعتماد اور غور کا عکس جو عاتب ہے۔ وہ ٹھکی ٹھکی اور اس اور اس محفل میں موجود ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر

دکھائی دیتی ہے۔“

اس کے قریب ہی اس کے والد بھی کچھ ایسی ہی

کیفیت کا شکار محسوس ہوئے جبکہ ان کے قریب ایک خاتون زرق برق لباس پہنے دانٹوں کی نمائش کرتے ان دونوں سے بالکل الٹ دکھائی دے رہی تھیں۔

”ارے یہ تو احمد ہے۔ آنا ہو! ذرا حال احوال ہی پوچھ لیں۔ اس روز کے بعد ہم تو جہاں نہیں سکے۔“ دادی کریم کلر کے سلک سوٹ میں خود کو بڑا پرایا پرایا محسوس کر رہی تھیں اور پارٹی سوٹ پر ہاتھ پھیر کر اس کی ملائمت سے محفوظ ہوتی تھیں۔

وہ دونوں اور ان کے ساتھ سامہ بھی مزاج پر سی کو آگے بڑھ گئیں مگر حیان یہیں بیٹھ گیا۔ اس روز نیو نے جو سلوک کیا اسے کسی طرح نہیں بھولتا تھا۔

”او حیان! ادھر آؤ نا۔“ ڈھولک کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھا گروپ اسے آوازیں دینے لگا۔

”نہیں، شکریہ۔ میں ٹھیک ہوں۔“

”تم ٹھیک ہو، ہم تو ٹھیک نہیں ہیں۔ ابھی لڑکی والے مندی لے کر آتے ہی ہوں گے۔ جلدی آجاؤ۔“

”نہیں بھئی، وہ سب کچھ سبحان بھائی کے ساتھ مل کر تھا، اب وہ موجود نہیں ہیں۔ اکیلا میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ اور یہ ٹھیک بھی تھا، وہ سب تو دونوں بھائی مل کر کیا کرتے تھے۔ محفل کی پروا نہیں ہوتی، جو بھی کرتے بس اپنی انجوائے منٹ کی خاطر کرتے مگر سبحان کے بغیر اسے یہ سب اپنے بس کی بات نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اکیلا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

امی اشارے سے بلارہی تھیں۔ وہ سیٹ چھوڑ کر چلا آیا۔

”احمد بھائی تمہارا پوچھ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں مجھے شکریہ ادا کرنا ہے۔ ہا سٹیل میں ساری رات گزارا اور پھر ملے بغیر ہی چلا گیا۔“

”شکریہ کس بات کا انکل! رشتہ داری میں اتنا حق تو ہوتا ہے۔ میں کسی لالچ کی بنا پر تو نہیں رکا تھا۔“ اس نے نیو کی جانب دیکھے بغیر یہ بات اسے جتنائی تھی۔

”یہ سبحان کا بھائی ہے نا۔ کتنی شکل ملتی ہے دونوں

بھائیوں کی۔ بس سبحان ذرا شوخ اور دوستانہ مزاج والا

ہوتا ہے۔ یہ مجھے سنجیدہ دکھائی دے رہا ہے۔“ واجدہ انکلم اسے دیکھ کر مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

”شکریہ، آپ سوچ بھی نہیں سکتیں خاتون! آپ کے اس طرح کہنے سے مجھے کتنی خوشی ہوئی، سچ زندگی میں ملنے والی وہ واحد ہستی آپ ہی تو ہیں جنہوں نے میرے مزاج کو پہچانا ہے۔ ویسے آپ کی تعریف۔۔۔؟“

”بتائیں جی انہیں۔“ خاتون نے خاصا مردانہ قسم کا قہقہہ لگا کر احمد صاحب سے کہا تھا۔

”میری وائف ہیں۔“ وہ اتنا ہی دھیرے سے گویا ہوئے۔

”ارے رے آنٹی! آپ سے ملنے کو تو میں بے تاب تھا۔ سبحان نے بڑی تعریف کی تھی اور سچ ہے، بیسنا تھا ویسا ہی پایا۔“

وہ ماں اور دادی کی آنکھوں میں خاتون کے لیے سرور مری اور بیزاری محسوس کیے بغیر خوشی کا بھرپور اظہار کر رہا تھا۔

”اچھا۔ سبحان نے میرا ذکر کیا تھا، اب جب بھی اس کا فون آئے، میرا سلام کہنا، دوہنی ہوتا ہے ناں وہ؟“

”نہیں جی۔ اب تو امریکہ والوں کی مہمان نوازی کا لطف اٹھا رہا ہے۔“

”اچھا ویری گڈ۔ مجھے بھی نمبر دینا۔ میں خود کال کروں گی۔“

”کیوں نہیں آنٹی! مخلص لوگوں کی تو ہم بڑی قدر کرتے ہیں، سچ ہے آج کل خلوص ہی کی تو کمی ہے دنیا میں۔“

ذرا سی دیر میں وہ یوں گھل مل کر باتیں کر رہے تھے جیسے بچپن کے ساتھی رہے ہوں، خاتون کو قہقہے لگانے کی عادت تھی اور قہقہے بھی ایسے کہ دور نزدیک موجود ہر نفس چونک کر ادھر متوجہ ہو جاتا۔ امی اور دادی یوں سب کے ان کی جانب دیکھنے پر شرمندہ ہو رہی تھیں۔

کو نیکہ واجدہ خاتون کو خاندان والوں نے کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔

ایسے میں سبحان کا یوں گھل مل جانا بڑی سبکی کی بات

ہوتی۔

”یہ لڑکا کبھی نہیں سدھر سکتا، آج اتنے عرصے کے بعد قسمت نے موقع دیا تھا کہ ہم بھی رشتہ داروں کے لیے اہم ہو رہے تھے، مگر اس نے پھر شرمندہ کروا کر رکھ دیا۔“

امی اور دادی نیو سے ہمدردی اور محبت جتا رہی تھیں۔ اسے اپنے قریب ہی بٹھالیا تھا۔ بے چاری سوتیلی ماں کے مظالم کا شکار معصوم بچی، وہ دونوں اس کے لیے ایسے ہی جذبات رکھتی تھیں اور ادھر صاحبزادہ سوتیلی والدہ کا سچا اور پکا خیر خواہ دکھائی دیتا تھا۔

”بیٹی! تم ٹھیک تو ہوناں۔ آج بڑی چپ چپ لگ رہی ہو؟“

”بس آنٹی! کیا بتاؤں۔ ابو کی بیماری نے پریشان کر رکھا ہے۔“ وہ دوسری پریشانی کا ذکر گول کر گئی۔

”اللہ تعالیٰ احمد کو صحت دے اور تمہیں جلد ہی اپنے گھریلو کارے۔“ دادی نے پورے خلوص کے ساتھ دعا دی۔ وہ چپ رہی۔ شاید دل میں آمین کہا بھی ہو۔

”سامہ! ادھر کہاں بیٹھی ہو۔ ادھر آکر بس کے پاس بیٹھو۔“ امی نے سامہ کو بھی اس کے برابر لا بٹھایا اور نیو کے الفاظ یا چہرے کے تاثرات اس بات کے خلاف نہیں تھے۔ وہ سامہ کی باتوں کا جواب پوری توجہ اور سنجیدگی سے دیتی رہی اور اس نے سامہ کے لاکٹ کی تعریف بھی کی۔

واپسی پر دادی نے نیو کو اپنا فون نمبر دے کر چپکے سے کہا۔ وہ کسی بھی وقت مدد کے لیے پکار سکتی ہے۔

”مجھے تمہاری سوتیلی ماں بڑی چالاک عورت لگتی ہے۔“ نیو بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

واپسی پر حیان نے بتایا۔ واجدہ خاتون انتہائی مکار اور کچھ ایسی خاتون ہیں کہ الفاظ زبان پر لانے مناسب نہیں۔ یقیناً انہوں نے انکل احمد کو کسی مقصد کی خاطر الٹو بنایا ہے اور وہ غریب کوئی دھماکہ کر سکتی ہیں۔

بتا رہی تھیں۔ انکل سے ان کا نکاح ایک سال پہلے ہوا تھا۔ وہ اس شادی کو منظر عام پر لانے سے خائف تھے۔

واجدہ بیگم کو ایک فلیٹ لے کر دیا تھا۔ پھر جب انکل کو

یہ دو بھائی ہی مجھے پسند آئے ہیں۔“
 ”آپ اتنا خفا کیوں ہو رہی ہیں؟“ حیان نے ہنس کر
 جتانے کے انداز میں پوچھا۔
 ”اس لیے کہ آپ انہیں نہیں جانتے، میرے ابو کو
 اس قدر پریشان کر رکھا ہے۔ وہ بہت ست اور کھوئے
 کھوئے سے رہتے ہیں۔ بزنس پر ان کی توجہ صفر ہو گئی
 ہے، پتا نہیں سارا سارا دن کیا سوچ کر پریشان ہوتے
 رہتے ہیں۔“

”یہ جو کچھ آپ آج بتا رہی ہیں، میں نے تو ان
 خاتون سے ملتے ہی اندازہ لگالیا تھا۔ اس قماش کی
 عورتیں جو بھی کرتی ہیں۔ پیسے کے لیے کرتی ہیں۔ وہ
 نہ تو خوبصورت ہے اور نہ ہی بینک اور اسمارٹ یقیناً“
 اس کے ہاتھ انکل کی دکھتی رگ ہے جس کی وجہ سے
 وہ اس کے سامنے مجبور ہو رہے ہیں۔“
 اب کے نیوہ نے قطعی بدلے تاثرات کے ساتھ
 چونک کر اسے دیکھا اور ملتا توقف ہوئی۔

”کیا آپ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟“
 ”کیوں نہیں، میں ضرور ہیلپ کروں گا، اگر آپ
 مجھے فیس ادا نہ کرنے کا وعدہ کریں۔“
 ”آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں۔“

”مس نیوہ! غریب آدمی کی نظر صرف پیسے پر ہی
 نہیں ہوتی۔ وہ ایک خلوص بھرا دل بھی رکھتا ہے۔
 آئندہ یہ بات یاد رکھیے گا۔“

”سوری، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔“ وہ واقعی
 شرمندہ تھی۔

”چلیے اس مرتبہ معاف کیا۔“
 ”آپ واقعی ہماری ہیلپ کریں گے؟“ وہ بے یقین
 تھی۔

حیان نے کہا کچھ نہیں، بھرپور خفگی کے عالم میں
 اسے دیکھا۔

”اوہ آئی ایم سوری۔“

”اگر آپ بولنے سے پہلے عقل استعمال فرمایا
 کریں تو بار بار معافیاں تلافیاں کر کے نیچا نہ ہونا
 پڑے۔ خیر نہایت فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں

ہارٹ اٹیک ہوا جو یقیناً ”واجدہ بیگم کی وجہ سے ہی ہوا
 تھا۔ تب یہ پس پردہ نہیں رہ سکیں اور سامنے آ گئیں،
 اب اسی گھر میں انکل اور نیوہ کے ساتھ رہتی ہیں۔“
 ”اتنا سمجھ دار ہو کر بھی پھنس گئے، احمد بھائی
 حالانکہ اس عورت میں کچھ بھی نہیں ہے۔“ امی کو
 حیرت اور افسوس ایک ساتھ تھا۔ داوی کو نیوہ کی فکر
 تھی۔

”بے چاری بچی سوکھ کر کاٹا ہو رہی ہے۔ پتا نہیں
 کچھ کھانے کو بھی دیتی ہے۔ یا نہیں۔“
 ”نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آج کی تقریب میں نیوہ ڈٹ
 کر کھاتی، جب کہ اس نے ایک کباب تھوڑے سلاو
 اور دو اسکوپ آؤس کریم کے علاوہ کچھ نہیں لیا۔“
 ”اس! تم کیا اسے ہی دیکھتے رہے تھے۔“ داوی نے
 سخت نوٹس لیا۔

”جی ہاں واقعات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے یہ
 ضروری تھا۔“ وہ کہاں چوکنے والا تھا۔

اگلے روز وہ پہلے سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ تیار
 ہوا تھا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کی نگاہیں نیوہ کی ہی تلاش
 میں تھیں، وہ آدھ گھنٹہ لیٹ پہنچی اور یہ آدھ گھنٹہ اس
 نے خاصی مصیبت اور جھنجھلاہٹ میں گزارا۔ حیرت
 ہوئی جب وہ آتے ہی سیدھی ان لوگوں کے پاس آئی
 اور تینوں سے بڑی اپنائیت سے ملنے کے بعد اس نے
 حیان کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

”السلام علیکم! اسے خود بڑھ کر سلام کرنا پڑا۔
 ”آجواجدہ صاحبہ نہیں آئیں۔“ اس نے کاٹ
 دار انداز میں جتایا۔

”ہائے کیوں؟“ حیان نے شدید دکھ کا اظہار کیا۔
 ”مجھے کیا پتا کیوں۔ آپ فون کر کے پوچھ لیجئے۔“

اسے یقیناً ”کل اس کےواجدہ کے ساتھ گھل مل
 جانے پر اعتراض تھا۔“

”فون کریں میرے دشمن، مجھے ان سے کیا لینا
 دینا۔“

”چھ! کل تو ساری تقریب کے دوران آپ ان
 ہی سے چپکے رہے اور وہ بھی فرماتی ہیں ساری فیملی میں

ایک مرتبہ پھر معاف کرتا ہوں۔ یہ بتائیے کہ آپ کے محترم والد صاحب کا اپنی بیگم جان کے ساتھ رویہ کیسا ہے؟

”بہت کھنچا کھنچا، مجھے یقین ہے پیلا اسے پسند نہیں کرتے، بس انہیں کوئی مجبوری ہے۔ جو اس کے خلاف قدم نہیں اٹھایا ہے۔“

”اگر ایسا ہے تو کیوں نہ میں انکل کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر حقیقت انکلوں کی کوشش کروں۔“

”جی ہاں، شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ کوشش کر دیجیے۔“

آنے والے دنوں میں حیان باقاعدگی سے احمد انکل سے ملنے کے لیے جانے لگا۔ وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا تھے جسے ڈاکٹر خواجہ کا وہم قرار دے کر علاج سے معذوری ظاہر کر چکے تھے۔ مگر انکل کو دیکھ کر نہیں لگتا تھا کہ وہ صحت مند ہیں، پہلے سے کہیں زیادہ کمزور تو وہ ہوئے ہی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ست اور مایوس بھی دکھائی دیتے تھے۔ زندگی سے دلچسپی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ آفس بھی نہیں جا رہے تھے اور زراذرا سی بات پر شدید جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ بھی کرتے تھے۔ حیان کے اپنائیت بھرے رویے نے انہیں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور پانچ دن بعد وہ کہہ رہے تھے۔

”تم واقعی بہت ذہین اور نیک دل نوجوان ہو۔ عمر میں تو میرے لیے بیٹے کی طرح ہو، مگر تم سے دوستی کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

”انکل! پتا نہیں کیا بات ہے کہ میری دوستی ہمیشہ اپنی عمر کے لوگوں سے کم اور بڑی عمروالوں سے زیادہ رہی ہے اور آپ سے دوستی کر کے تو میں خود بھی بہت اچھا محسوس کروں گا۔ آپ مجھے ہمیشہ سے بہت اچھے لگتے ہیں۔ کس قدر سوبر اور باوقار پرسنالٹی ہے آپ کی۔“

وہ ان کی خدمت بھی کرتا، باتیں بھی بکھارتا۔

دوسری طرف واجدہ خاتون سے بھی بہت دوستی ہو چکی تھی۔ احمد صاحب تو کمرے سے باہر نکلتے ہی نہیں تھے۔ وہ ان سے گپ شپ لڑا کر باہر نکلتا اور واجدہ کے آگے پیچھے رہتا، جب کہ بظاہر نیوہ کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ مگر رات کو دس بجے کے بعد وہ فون پر ساری رپورٹ اسے دیا کرتا تھا۔

آخر ایک روز اندر کے شور اور خوف سے گھبرا کر احمد صاحب نے ایسا راز حیان کو دے دیا جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

واجدہ کو دیکھ کر اندازہ تو ہوتا تھا کہ وہ کسی اچھے گھرانے سے ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر وہ ایسی عورت ہوگی جس کا کردار صرف فلموں اور کتابوں میں نظر سے گزرا تھا اس بارے میں کہاں سوچا تھا۔

اس رات احمد صاحب کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تھی، انہوں نے اسے گھر سے بلوایا تھا۔ واجدہ گھر پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جب کہ نیوہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ احمد صاحب اچھے خاصے سرد موسم میں بھی پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور انہیں سانس لینے میں دقت کا سامنا تھا۔

”آپ کسی ملازم کو بلا لیتے۔ نیوہ کو ہی جگا لیتے۔ اس حالت میں اکیلے لٹے ہوئے ہیں۔“

”مجھے تمہارا انتظار تھا حیان! آج مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ یوں سمجھو، اک راز میں شریک کرنا ہے۔ اللہ کے لیے میری سچائی پر یقین کر لینا اور میرے اس راز کو راز رکھنا۔“

”آپ مجھ پر ہر طرح سے بھروسہ کر سکتے ہیں۔“ وہ بڑی اپنائیت سے ان کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر سلانے لگا۔

”تم جانتے ہو۔ نیوہ کی والدہ عرصہ ہوا فوت ہو گئی تھیں، پھر میں نے دوسری شادی کی، مگر وہ عورت اتنی بری بیوی ثابت ہوئی کہ میں نے شادی کے نام سے ہی تو یہ کر لی۔ چند ماہ کے بعد ہی ہم دونوں میں علیحدگی ہو گئی تھی۔ میری ساری توجہ بڑس اور بیٹی پر تھی۔ تقریباً سو سال پہلے مجھے اپنی گاڑی فروخت کرنا

ہی۔ ڈیلر سے بات کی اس نے اخبار میں اشتہار دے دیا اور ایک روز ایک عورت میرے آفس میں مجھ سے ملنے چلی آئی۔ وہ چہرے مہرے سے کوئی بہت زیادہ دلکش نہیں تھی۔ مگر انداز گفتگو بے حد متاثر کن تھا۔ وہ کچھ دیر میرے آفس میں بیٹھی۔ گاڑی دیکھی، پسند کر لی اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے اس کے گھر تک ڈراپ کروں۔ کیونکہ آج کل وہ ذاتی کاری سے محروم ہے۔

میں نے فوراً ”ہاں“ بھری، اسے گھر تک ڈراپ کیا۔ وہ بہت شکر گزار تھی اس نے اصرار کیا کہ میں اندر آکر چائے کا ایک کپ ضرور پیوں اور اس کی والدہ سے بھی ملتا جاؤں۔ اچھے لوگوں سے کون نہیں ملتا چاہتا۔ میں اندر چلا آیا۔ عورت مجھے اپنی والدہ کے پاس بٹھا کر چائے بنانے چلی گئی۔ چائے کا ذائقہ مجھے تھوڑا سا مختلف محسوس ہوا۔ مگر میں نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔

میرے اطراف میں خاتون اور اس کی والدہ کے علاوہ دو مرد بھی موجود تھے اور میں جس حالت میں تھا وہ ناقابل بیان ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میری نیم بے ہوشی بلکہ مدہوشی (چائے میں نشہ آور دوا کی آمیزش تھی) سے فائدہ اٹھا کر مووی بنائی گئی ہے۔ اور مجھے وہ مووی دکھائی بھی گئی، میں نے ہاتھ جوڑے، گزر گزرا کر کہا کہ تم جتنی رقم چاہو لے لو۔ مگر یہ مووی مجھے دے دو۔ انہوں نے خاصی بڑی رقم کا مطالبہ کر دیا۔ میں نے پھر ہی بحث نہیں کی۔ ہاں، بھری اور شکستہ قدموں کا نپتے دل کے ساتھ وہاں سے چلا آیا۔ اگلے روز وہی عورت جس کا نام واجدہ تھا۔ میرے آفس میں موجود تھی۔ اسے دیکھ کر میرا دل گھبراہٹ اور بے چینی کا شکار ہونے لگا۔

اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس سے ڈروں نہیں، اور یہ بھی کہ وہ بھی میری طرح مظلوم اور مصیبت زدہ ہے۔ اسے بھی اس گروہ نے اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر بلیک میل کیا ہے۔ میں اس کی کہانی سے شاید اس لیے بھی زیادہ متاثر ہو گیا کہ وہ بھی بالکل میری ہی

طرح حالات کی ستائی ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ ساتھ رہی، رات کو ہم نے کھانا بھی اکٹھے کھایا۔ اور میں نے صرف اس کی وجہ سے کھایا۔ ورنہ میری بھوک پیاس سب مرچکی تھی۔ بار بار یہی خیال ذہن میں گردش کرتا تھا اگر انہوں نے یہ سب میرے کسی بھی جاننے والے کو دکھادیا تو کیا ہوگا۔ مگر واجدہ میری ہمت بندھاتی رہی اور اس نے مجھ سے کہا۔

”آپ تو خوش قسمت ہو، رقم دے کر معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم کر لو گے، مگر میں غریب عورت ہوں اور اس دلدل میں پھنس جانے کے سوا میرا کوئی انجام نہیں۔“

میں نے ان لوگوں کو رقم ادا کر دی اور مصیبت سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پالیا۔ واجدہ برابر مجھ سے ملتی رہی۔ اس کی مظلومیت پر ترس کھا کر میں نے اس کے جھٹے کی بھی رقم ادا کر دی۔ اور بعد میں اس کی درخواست پر اس سے نکاح کر لیا۔

مگر نکاح کے بعد مجھے اندازہ ہوا۔ میں تو ایک کے بعد دوسرے جال میں پھنس گیا ہوں۔ واجدہ ہرگز کوئی مظلوم عورت نہیں ہے۔ اب مجھے یہ اندازہ نہیں ہے کہ یہ اس گروہ کی باقاعدہ رکن ہے یا معاوضے پر کام کیا تھا۔ مگر یہ تو یقین ہے کہ وہ غلط کردار کی عورت ہے اور اس نے مجھ سے شادی صرف پیسے اٹھانے کے لیے کی ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کی فکر راتوں کو سونے نہیں دیتی، میں پیسے والا ضرور ہوں مگر شریف آدمی ہوں۔ اس قسم کے لوگوں سے میرا پہلی بار واسطہ پڑا ہے۔“

یہ سب کچھ ایسا تھا کہ کچھ دیر کے لیے تو حیان کے حواس ہی معطل ہو گئے۔ وہ انہیں کوئی مشورہ دے ہی نہیں سکا۔ مگر یہ تسلی ضرور دے آیا کہ میں ضرور کچھ نہ کچھ کروں گا۔“

اس رات وہ سو نہیں سکا۔ اس معاملے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا، صبح ناشتے کے بعد وہ پھر نیوہ کے ہاں موجود تھا۔ ملاقات سب سے پہلے واجدہ سے ہی ہوئی۔

”تم اتنی صبح؟“ وہ اس وقت شہد اور لیموں پانی میں

حل کرنے کے بعد اس میں برف کی کیوب ڈال رہی تھی۔

”جو میں کہوں اس پر یقین کرو گی۔“ وہ آکر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”ہاں بالکل۔“ وہ مسکرائی تھی۔

”مجھے تمہارے خیال نے سونے نہیں دیا۔“

”کیا مطلب؟ مذاق اچھا کر لیتے ہو؟“ پہلے وہ چونکی پھر سنبھلی۔

”کبھی تمہیں کسی نے بتایا نہیں۔ تم میں کتنی کشش ہے۔“

اب کے وہ متوجہ ہوئی تو پھر کسی اور طرف نہیں دیکھ سکی۔

”محبت کی نہیں جاتی۔ ہو جایا کرتی ہے، یہ لوگ کہتے ہیں لیکن میرا خیال ہے، محبت خواہ مخواہ نہیں ہو سکتی، مقابل کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو چونکے پر مجبور کر دیتی ہے۔“

”اچھا۔ مجھ میں بھی ایسی کوئی بات ہے۔“ بڑی ادا سے سوال کیا گیا تھا۔

”میں نے کچھ نہیں دیکھا، صرف تمہیں دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ تم بھی میری طرح خوش باش زندہ دل ہو۔“

”ہاں۔ میں زندہ دل ہوں اور مجھے زندہ دل لوگ اچھے لگتے ہیں۔ خاص کر مرد۔“

”تو پھر اس مرد دل بابے سے بیاہ کیوں رچا بیٹھیں؟“

”مجبور ہو گئی تھی، پیچھا ہی لے لیا تھا ان صاحب نے۔“

”حالانکہ ایسے کنگال بابے کو تو اس عمر میں مصلیٰ سنبھال لینا چاہیے۔“

”کنگال؟“ وہ یہ سوال کرنے سے کیسے باز رہ سکتی تھی۔

”ہاں۔ تمہیں شاید بتایا نہیں انہوں نے۔ جذبات میں آکر جائیداد بیٹے کے نام لکھ چکے ہیں۔ نیو کی والدہ کی وفات کے بعد انہوں نے ایک قبائلی خاتون سے

شادی کی تھی، بڑا ستایا اس عورت نے۔ پھر قبیلہ ایسا خوشخوار یہ چاہنے کے باوجود طلاق نہیں دے سکے، بیٹا بھی ہو گیا تھا۔ تو اپنی انھیال میں ہے، کبھی کبھار ملنے آیا کرتا ہے۔ بہت عزت ہے وہ انکل کو، پھر اس کی ماں سے ڈرتے بھی بہت ہیں۔ اسی لیے سب اس کے نام لکھ دیا۔ نیو کے لیے تو بس بہت تھوڑی سی رقم ہے، جو بینک میں اس کے نام سے رکھی ہے۔“

”اچھا تمہاری باتیں بہت عجیب ہیں۔“

”لیکن ہیں سچی۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ اب ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔“

”ایسا ہی سمجھو۔ ان کی بیگم کے بھائی تو پوری پوری نظر رکھتے ہیں۔ ذرا بھی یہ احساس ہو جائے کہ یہ رقم فضول میں اڑا رہے ہیں، فٹ سر پر پہنچ جاتے ہیں۔“

”مجھ سے احمد نے ذکر نہیں کیا کبھی۔“

”کیسے بتاتے، کیا بتاتے کہ میں انی بیگم کے بھائیوں سے ڈرتا ہوں اور پتا ہے، وہ لوگ ہیں بھی بڑے اجڑ اور ظالم، میں نے انکل سے کہا بھی تھا۔ اب اگر شادی کر ہی لی ہے تو بیگم کو چھپا کر تو رکھیں، اگر انہیں پتا چل گیا تو قتل کر ڈالیں گے۔“

ساری گفتگو میں اب جو رنگ جما، وہ پہلے نہیں تھا۔ واجدہ کے چہرے پر واضح گھبراہٹ تھی۔

”ہاں۔ احمد کو مجھے یہ بات بتا دینی چاہیے تھی۔“

”آپ کہتی ہیں، آپ دونوں کی محبت کی شادی ہے۔ اور احمد صاحب نے میری یہ بات سن کر کہا تھا۔ خس کم جہاں پاک اور یہ بھی بتایا، کن کا بیٹا چند روز میں ادھر کا چکر لگائے گا۔“

”تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا۔ میں اس کی آمد سے قبل یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

”کیا فائدہ۔ مجھے تو لگتا ہے احمد انکل خود ہی اسے تمہارے بارے میں بتا دینا چاہ رہے ہیں۔“

”نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتا۔“ واجدہ کو یقین تھا۔

”آپ کو پتا نہیں ہے، وہ لوگ کتنے خطرناک ہیں۔ خود کو بچانے کے لیے انکل ضرور ساری بات تمہارے

سرا لیں گے۔“

”اچھا تو تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟“

”کمال ہے، وقت سے پہلے انکارم کر رہا ہوں۔ ابھی کی بوجھ رہی ہو، میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“

”ہاں۔ وہ تو ٹھیک ہے مگر اس کے علاوہ کیا کر سکتے ہو؟“

”میں تمہیں امریکہ لے جاسکتا ہوں۔“

”امریکہ! واجدہ کی آنکھوں میں چمک اٹرائی۔“

”بالکل۔ میرا بھائی وہاں پر ٹھیلہ لگا کر میموں کی انٹیویٹ اشیاء فروخت نہیں کرتا۔ اچھا خاصا بزنس مین ہے اور بہت جائیداد بنا رکھی ہے۔ اس نے وہاں۔“

”اوہ! وہ بس اسی قدر کہہ سکی۔“

حیان پہلے احمد انکل سے ملا انہیں، اپنے جھوٹ کے بارے میں بتایا۔ وہ بولے۔

”بھلا ان باتوں سے کیا ہو گا۔ کیا وہ ایسی پاگل ہے کہ سب سچ سمجھ لے گی۔“

”میں نے سوچ سمجھ کر بیان بنا کر تو کچھ نہیں کہا۔ اس رات کو دعا کرتا رہا تھا۔ صبح جو نمی وہ سامنے آئی، اس نے سچے سچے ہی بولے گیا اور مجھے لگا۔ میرا یہ سب کنار ایں گاہیں نہیں گیا۔ وہ سچ سمجھ بیٹھی ہے اور آپ سے تصدیق ضرور چاہے گی۔ آپ انکار مت کیجئے گا، بلکہ اپنے سرسرا کا مزید خوفناک نقشہ کھینچ دیجئے گا۔ ضرورت پڑنے پر میں خوشخوار سالے بھی کہیں سے لال لاؤں گا۔“

اور جب وہ نیو کے سامنے تھا تو کہہ رہا تھا۔

”ساری خواتین اس قدر خوش فہم کیوں ہوتی ہیں؟“

”ساری تو نہیں۔“ وہ جھٹ سے بولی۔

”کیوں تمہیں یہ خوش فہمی نہیں کہ میں تمہاری محبت میں یہاں آتا ہوں اور انکل سے ہمدردی صرف تمہاری وجہ سے جاتا ہوں۔“

”نہو نے تمہارا اس کی جانب دیکھا مگر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔“

حیان نے کچھ دیر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا اور بولا۔

”اگر واقعی تمہارا یہی خیال ہے تو سو فیصد درست ہے۔ یہ تمہاری چاہت ہی تو ہے جو مجھے کشش کشش ادھر کھینچ رہی ہے۔“

”بس بات مت کرو مجھ سے۔“ وہ خفا خفا اٹھ کھڑی ہوئی۔

حیان نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

”ہائے معصوم لڑکی۔“ نیو نے سن تو لیا مگر پلٹ کر نہیں دیکھا۔

اس رات احمد اور واجدہ میں شدید جھڑپ ہوئی تھی۔ اس کی اطلاع فون پر نیو نے دی اور یہ بھی کہا۔

”وجہ واجدہ کی بے جا فرمائشیں ہیں۔ وہ ڈائمنڈ کا سیٹ فوراً لینا چاہ رہی ہے جب کہ پاپا اسے ایک پیسہ بھی دینے کو تیار نہیں ہیں۔“

”ہائے تو کیا بے چاری آرزوؤں کو حسرتوں میں بدلتے دیکھتی رہے گی اور ایک روز مرجائے گی۔“

”نہیں۔ جہاں تم جیسے ہمدرد موجود ہوں۔ وہاں بھلا وہ مر سکتی ہے۔“

”یہ بات اتنی جل کر کیوں کہہ رہی ہو، تعریف کی ہے تو ذرا الجھ بھی بیٹھنا ہوا۔“

”میں تو صرف اس لیے فون کر لیتی ہوں کہ یہ پاپا کی ہدایت ہے، تمہیں ہر بات سے باخبر رکھا جائے۔“

”چلیے کسی کے کہنے پر ہی سہی مگر آپ زحمت تو کرتی ہیں نا بہت شکریہ۔“

”حیان! ویسے کبھی کبھی تم مجھے بڑے فراڈ لگتے ہو۔“

”تمہارا مطلب ہے، واجدہ کے گروپ کا ایک کارندہ۔“

”واجدہ کا گروپ۔“ وہ سمجھی نہیں اور حیان کو بھی یاد آیا، وہ تو واجدہ کے بارے میں بس اتنا ہی جانتی ہے کہ وہ آوارہ سی فضول ذہن کی عورت ہے۔

”داوی اور آئی کا کیا حال ہے؟“
 ”بڑی جلدی خیال آگیا۔“
 ”فلٹر کرنے کی ضرورت نہیں، ابھی دو روز پہلے میری اور سامہ کی بات ہوئی ہے۔“
 ”اچھا تو اس وقت کیا حال احوال پوچھنا یاد نہیں رہا تھا۔“
 ”تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔“ اس نے ریسور ش کیا۔

اگلے روز واجدہ کا موڈ خاصا آف تھا اس نے احمد کے لیے خاصے غلط الفاظ استعمال کرنے کے بعد بتایا۔
 ”اب یہ بڑھا مجھ پر ایک پیسہ خرچنے کا بھی روادار نہیں ہے۔“
 ”کہاں سے خرچے بے چارہ۔ بتایا تو ہے بیٹے اور بیٹے کے ماموں سے ڈرتا ہے۔“
 ”آخر پہلے بھی تو خرچتا تھا۔“

”وہ کچھ پیسے ان کے پاس تھے اب کل بتا رہے تھے۔ بیماری پر بھی بہت خرچ آگیا ہے۔“
 چلتا۔ سپر اسٹور تو ہے بتایا تو تھا۔ حساب رکھتے ہیں وہ لوگ۔ ویسے میرا مشورہ ہے، انکل کو چھوڑ کر ان کے کسی سالے سے شناسائی پیدا کر لو۔ فائدے میں رہو گی۔“
 ”آنکھ مار کر تجویز پیش کی۔“
 ”پورے خبیث ہو تم، کیا ایسا سمجھ رکھا ہے مجھے۔“
 بنا کسی ناراضی کے وہ کہہ رہی تھی۔

”ارے صرف ایسا میں تو نہیں ایسا ویسا سمجھتا ہوں۔ غور کرنا، تجویز بری نہیں، بس یہ ہے کہ وہ نہیں ہمیشہ کے لیے اپنے محل میں قید کر لیں گے، بھاگنے کی کوشش کرو گی تو گولی مار دیں گے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔“

”نفع دہر، میرا بھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں اور قید کر کے جو دولت دی جائے، اس پر تو میں سو بار لعنت بھیجتی ہوں۔“
 ”وفاقی، داوی بڑی محنت ہے۔“ حیان نے اثبات

میں سر ہلایا۔

”میں اس بڑھے سے سخت بور ہو گئی ہوں۔“
 ”پھر کیا مجھ پر نظر کرم کرنے کا ارادہ ہے؟“ کچھ ڈر کر پوچھا۔

”تم کو تو میں ابھی تک سمجھ ہی نہیں سکی۔ دیکھنے میں معصوم، شوخ مزاج، بھولے بھالے نوجوان دکھائی دیتے ہو مگر اب مجھے لگتا ہے گمنوں کے پورے ہو۔“
 ”درست۔ سو فیصد درست۔“ وہ صوفے پر نیم دراز مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

”ذلیل، چلوٹا، کسی روز اس گھر سے باہر نکلیں۔ لاٹک ڈرائیو پر چلیں۔“ وہ بھی ایک دم سے اس کے قریب آکر دھپ سے بیٹھ گئی۔
 ”بائے میرا دل!“ حیان اچھل کر سیدھا ہوا اور پھر بولا ”بیگم جان! خیال سے میرا دل اور صوفہ دونوں غوط کھا سکتے تھے، جہاں تک لاٹک ڈرائیو کی بات ہے اس کے لیے ٹائم چاہیے آج کل تو میں بڑا مصروف ہوں۔“

”کیا مصروفیت ہے تمہاری؟“
 ”بھائی کہہ رہا ہے۔ جلدی امریکہ پہنچو، بس اسی کی تیاری ہے مگر قسم ہے تمہارے گول مٹول چرے کی، میرا اب جانے کو دل نہیں چاہتا۔“
 ”خیر۔ میرا چہرہ ایسا بھی گول مٹول نہیں ہے۔“

”اچھا اچھا۔ وہ تو میں نے اس لیے کہہ دیا کہ گول مٹول چرے ہمیشہ سے میری کمزوری رہے ہیں۔“
 اب کے واجدہ نے اس کے بال ہاتھوں میں لیے اور بولی۔ ”ذلیل! کہنے! میں راتوں کو سو نہیں سکتی بار بار تیرا خیال آتا ہے۔ سچ کہتی ہوں۔ چھوڑوں گی نہیں۔ بے وفائی کی تو جان لے لوں گی۔“

اسی وقت نیو اوہری چلی آئی، سمن قابل اعتراض تھا، دھک سے رہ گئی۔ واجدہ اور حیان کی اس حد تک بے تکلفی کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں تھا۔
 ”اوہ! یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے ہمارے گھر میں؟“ وہ اتنی زور سے چلائی کہ کھانسی آگئی۔

واجدہ نے حیان کے بال چھوڑ دیے۔ سیدھی ہو کر

اس کی جانب مڑی اور بولی۔

”گھر میرا ہے، میں جو جی چاہے کروں، تم کون ہوتی ہو اعتراض کرنے والی۔“

”محترم خاتون! گھر آپ کا ہے یا ان کا۔ مجھے اس سے مطلب نہیں، مگر یہ بال میرے ذاتی ہیں۔ آپ کو ان پر حملہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ آئندہ اگر ایسا ہوا تو میں شور مچا کر نیو کولالوں گا۔ یہ تو میری نیک نیتی اور سچائی ہے کہ اس مرتبہ اللہ نے نیو کو خود میری مدد کے لیے بھیج دیا ورنہ میرا کیا بنتا۔“

واجدہ کے دل میں چور تھا۔ بکتی جھکتی نیو کو خواہ مخواہ میں دھمکیاں دیتی چلی گئی۔

”شاباش دلیر بنو! آج تو تم نے دل خوش کر دیا۔“

”حیان نے داوی۔“
 ”جب کرو مجھے تو دلیر بننے پر شاباشی دے رہے ہو اور خود کیا کر رہے تھے۔“ وہ سخت خفا تھی۔

”قسم سے، میں بس اسے ایک جھانپڑ سید کرنے والا تھا کہ تم چلی آئیں۔“

”بناؤ مت۔“ وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

حیان نے انکل کو وہ دو اکھانے سے منع کر دیا تھا، جو واجدہ انہیں دیتی تھی ایسا اس نے ایک شک کی بنا پر کیا تھا۔ بعد میں تصدیق بھی کروائی، وہ احمد کو سلو پوائزن دے رہی تھی۔ اور انکل نے یہ بھی بتایا، جب سے حیان نے اس کے سامنے بیٹے اور خونخوار سالوں کا ذکر کیا تھا۔ تب سے واجدہ کی دلچسپی دو اکھانے میں ختم ہو گئی تھی۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ سمیٹ لینے کے چکر میں تھی۔ اسی لیے بڑی بڑی فرمائشیں کرنے لگی تھی۔

”سوچ رہا ہوں، طلاق دے دوں۔ ایسا کرنے میں ایک بڑی رقم تو اسے دینا ہوگی۔ مگر ساتھ میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ ایسا نہ ہو ابھی کچھ تصاویر، کوئی فلم ان لوگوں کے پاس موجود ہو اور وہ پھر سے بلیک میلنگ پر اتر آئیں۔“

”انکل! جو ڈر گیا وہ مر گیا۔ ویسے بھی اب واجدہ کو پتا ہے آپ کمزور، شریف، دولت مند نہیں ہیں۔ آپ کی پشت پر لڑنے مرنے والے سالے موجود ہیں۔ اور دو سرا یہ کہ سب سے زیادہ خطرہ یہی ہے ناکہ آپ کی بری شہرت آپ کی بیٹی کی زندگی کو متاثر کرے گی۔ اب اس بات سے کیا ڈرنا۔ بیٹی کی زندگی بھلا کیسے متاثر ہو سکتی ہے۔ جب کہ میں سب کچھ جان اور سمجھ چکا ہوں۔“ کہنے کے ساتھ ہی زبان دانتوں تلے دبائی بس روانی میں خیال ہی نہ رہا تھا کہ سامنے لڑکی کا باپ موجود ہے۔

ڈرتے ڈرتے ان کے چہرے کی جانب دیکھا اور اس وقت جو مسکراہٹ ان کے چہرے پر کھیل رہی تھی وہ اتنی پیاری لگی کہ بے اختیار ہلا میں لے ڈالیں۔

”حیان بیٹا! تم تو میرے لیے رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔ اب مجھے کوئی فکر، کوئی غم نہیں ہے۔“

”اوہ اب تو مجھے بھی کوئی غم نہیں ہے۔“ وہ کہہ نہیں سکا۔ اس روز جلد ہی اجازت لے کر گھر آگیا۔

شام کو سبحان کا فون آگیا، اتفاق سے تینوں خواتین گھر پر موجود نہیں تھیں۔ اس نے سبحان کو انکل احمد کے ساتھ بیٹنے والے واقعے اور پھر نیو والی خوش خبری کے بارے میں بتایا اس نے مبارک باد دی۔

”آخر کار تم جیت گئے اور انکل احمد کے بارے میں جان کر افسوس ہوا، مگر صرف افسوس سے کیا ہوگا۔ ہمیں واقعی تمہاری ہونے والی سسرال کو ہر پریشانی اور بدنامی سے بچانا چاہیے۔ ایسا کرو۔ تم میرے دوست کامران سے ملو، اس کے بڑے بھائی کے ہاتھ کافی لمبے ہیں۔“

”تمہارا مطلب ہے۔ وہ گھر بیٹھے بیٹھے واجدہ بیگم کی گچی (گردن) مروڑ دے گا اور کسی کو شک بھی نہ ہوگا۔ پولیس کے ہاتھ پر یہ کیس بد نما دھتھ بن کر ہمیشہ چمکے گا۔“

”نہیں گھامڑا! وہ کچھ نہ کچھ حل نکال ہی دے گا۔“
 ”ٹھیک بالکل ٹھیک۔ یہ کامران ہی تو ہے جس نے تمہیں امریکہ پہنچایا اور میرا مستقبل مہکایا۔ میرا ارادہ

ہے چالیس روز تک اس کے قدموں میں بیٹھ کر شکر یہ شکر یہ کی گردان کروں۔“

”شیطان کے چیلے تم تو چالیس منٹ میں نظر بچا کر کچھ نہ کچھ کھاپی لو گے۔“ وہ بے چارہ چالیس روز تک بیٹھا وقت پاجائے گا۔“

”ہاں یہ تو ہے۔ چلو چالیس منٹ۔ نہیں بلکہ چالیس سینکڑ تک شکر یہ ادا کروں گا۔“

”اور واجدہ کے لیے کوئی پیام وہ تمہیں بریاد کرتی ہے بڑے بھائی۔“

”ہائے بے چاری! اب تو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ساری عمر میری ہی یاد میں گزارے گی۔ میرا خیال ہے اس کا آخری پیار تو میں ہی ہوں۔“

”نہیں نہیں بڑے بھائی! یہ غلط فہمی دور کر لیں۔ اصل میں آخری محبت میں ہوں۔“ شرما کر اطلاع دی۔

”بھئی ماشاء اللہ! تمہاری صلاحیتوں پر تو مجھے کبھی بھی شک نہیں رہا۔ مگر دیکھ بھال کے۔ تمہیں تم بھی اس کے چکر میں نہ آجانا۔“

”لو ابھی پسلی محبت پار لگی نہیں۔ میں دوسری ندی میں بلکہ واجدہ کے جسم کے مطابق تو سمندر کا لفظ استعمال کرنا چاہیے۔ کہے اتر سکتا ہوں۔“

”پھر بھی آنکھیں کھلی رکھنا۔ اس کے ہاتھ سے کوئی چاکلیٹ، مٹائی لے کر مت کھانا۔ کہیں تم بھی نشہ نہ چڑھائی ہو۔“

”میں بڑا چالاک ہوں گھر کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتا اس سے۔ اور تم سناؤ۔ کوئی ٹی ہے۔ یا فی الحال آزادی کے مزے لوٹ رہے ہو۔“

”کیسی آزادی میرے بھائی! کامران کے گھر کے چکر صرف کامران کی محبت میں تھوڑی تھے۔ اصل میں اس کی بھابی کی چھوٹی بہن مجھے بڑی مظلوم سی ہستی لگا کرتی تھی۔“

”وہ اچھا مگر مظلوم کیوں؟ کیا یتیم تھی؟“

”نہیں نہیں اب تو اس کے سوجھ بوجھ ہیں۔ البتہ ان دنوں مجھے صرف جن لگتے تھے۔ امی بھی سنا ہے کوئی

قابل خاتون ہیں۔ مظلوم اس لیے لگتی تھی کہ میری محبت کی گہرائیوں سے قطعی ناواقف تھی۔ اسے پتا ہی نہیں تھا کہ ایک حسین، پڑھا لکھا، با اعتماد، باوقار نوجوان اسے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔ اب میں سوچ رہا ہوں۔ یقیناً امریکہ آکر اس قابل ہو گیا ہوں کہ امی اس کے گھر جا کر اس کے ابا سے اپنی امانت کی واپسی کا مطالبہ کر سکیں۔“

”واہ میرے بڑے بھائی! تمہاری ذہانت تو دن رات ترقی کے سفر پر گامزن ہے۔ کیا بات کی ہے امانت کی واپسی۔ واہ واہ واہ۔“

”اچھا یار! میرا غیر ملکی دوست ڈیوڈ تشریف لے آیا ہے۔ اجازت دو، جلد ہی تازہ ترین حالات جاننے کے لیے دوبارہ فون کروں گا اور ہاں۔ سامہ بتا رہی تھی۔ تم بہت سنجوس ہوتے جا رہے ہو۔ پیسہ خرچ کرتے جان جاتی ہے تمہاری۔“

”بڑے بھائی! میں چاہتا ہوں۔ کچھ جوڑ جاؤں پھر تم واپس آ جاؤ اور مل کر کوئی بزنس اشارت کر لیں۔“

”جیسے تمہاری مرضی چنداویسے تم سے دور اگر خود کو ادھور میں بھی محسوس کرتا ہوں۔“

”یہی حال میرا بھی ہے بڑے بھائی! ساری رات خوابوں میں لگتی ہے۔ عشاء کی نماز پڑھ کر نہیں سوتا کہ تھکن بہت ہوتی ہے۔ صبح تک نیو کے ساتھ سارے پسندیدہ گیت پکارتا کرتا ہوں پھر صبح کی اذان کے ساتھ ہی امی، کبھی دادی کسی نہ کسی طرح بیدار کر ہی دیتی ہیں پھر جو دوبارہ بستر پر رونق افروز ہوتا ہوں تو خوابوں میں تم اور میں ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی کرکٹ کھیلتے، کبھی محلے والوں کی جاسوسیاں کرتے، کبھی کسی آپایا بھابی کو چمکے دیتے۔“

”بڑے مبارک خواب ہیں، تعبیر ہماری مرضی کے عین مطابق ہوگی۔“

”اللہ میرے خواب اور آپ کی زبان مبارک کرے، آمین۔“

”جب سے واجدہ کو یہ پتا چلا ہے کہ میرے پاس کچھ

پیسے ہے، اس کا رویہ خاصا بدل گیا ہے۔ بات بات پر کھانے کو دوڑتی ہے دو کھلانے میں دلچسپی یکسر ختم ہو چکی ہے۔ اب تو بس ہر وقت کچھ نہ کچھ خریدنے کی شد کرتی رہتی ہے۔“

”جی انکل! میرے حساب سے بھی یہی ہونا چاہیے تھا۔ اب وہ چاہ رہی ہے کہ بخشنی جلدی ہو سکے سب سمیٹ سٹ کر اپنی راہ لے۔“

”میں خود کو پہلے کے مقابلے میں خاصا بہتر محسوس کرتا ہوں۔“

”صرف آپ ہی نہیں، آپ کو دیکھنے والے بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں۔“

”ارے حیان! تم آئے ہو۔“ واجدہ بیگم نے کمرے میں داخل ہو کر بڑی گرجوشی سے کہا تھا۔

”میں تو آتا ہی رہتا ہوں، اس میں اتنی خوشی والی کون سی بات ہے۔“

”یہ گھر گھر نہیں مقبور ہے۔ تم آتے ہو تو فضا بدل جاتی ہے۔ یہاں زندگی سانس لیتی محسوس ہونے لگتی ہے۔“

”جاؤ، چلی جاؤ یہاں سے۔ میرا گھر تمہیں کبھی قید خانہ، کبھی مقبورہ لگتا ہے تو کیوں بیٹھی ہو یہاں۔“

”سوچ سمجھ کر بات کرو احمد! ایسا نہ ہو، میرا جانا تمہارے لیے عمر بھر کا روگ بن جائے۔“ وہ کچھ جتا رہی تھی۔

احمد چونکے۔ ان کے چہرے سے پریشانی ہویدا ہونے لگی۔ واجدہ گہری سی معنی خیز مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر حیان کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”اچھا انکل! میں چلتا ہوں۔ آج کچھ مصروفیت ہے زیادہ ٹائم نہیں دے پاؤں گا۔“

”ارے ایسی کیا مصروفیت ہے حضرت! چائے تو پیتے چائے۔ آج موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔“

”شکریہ، آپ کی چائے ادھار رہی۔ مجھے اپنے ایک دوست کی طرف جانا ہے۔ نیا نیا اے ایس پی بنا ہے۔“

”مبارک باد نہ دی تو ناراض ہو جائے گا۔“

”اچھا۔ تمہارے دوستوں میں تو بڑے بڑے آفیسر

شامل ہیں۔ کبھی مجھ سے بھی تو ملو او۔“

”کیوں نہیں ضرور۔“ وہ بات تو واجدہ سے کر رہا تھا مگر احمد انکل کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں ہنس پڑا تھا۔

حیان جانے کے لیے باہر نکلا تو واجدہ بھی پیچھے ہی آگئی۔

”کہاں رہتا ہے یہ پولیس افسر؟“

”اپنے گھر میں۔“ مختصراً جواب آیا۔

”میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ شاید میں جانتی ہوں۔“

”کیوں شادی سے پہلے جرائم کی دنیا سے تعلق رہا ہے۔“

”کبھی کبھی بڑے فضول مذاق کرتے ہو۔“

”اچھا پھر کبھی اس موضوع پر بات ہوگی، ابھی جانے دو۔ وہ دیکھو نیو کھڑکی سے گھور گھور کر دیکھ رہی ہے۔“

واجدہ نے جھٹ پیچھے مڑ کر دیکھا، وہ ہٹا ہٹا ہوا۔

”بد تمیز بے ہودہ۔ آتا اب دوبارہ۔“ وہ جھل سی ہو کر دھمکیاں دے رہی تھی۔

حیان نے احمد انکل کو اپنے منصوبے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ عزت کا معاملہ تھا، وہ یقیناً پولیس میں رپورٹ کروانے سے منع کرتے مگر حیان نے سوچ لیا تھا کہ ایسے لوگوں کو معاف نہ ہی کرنا بہتر ہے۔ ہمارے ہاں یہ دستور ہے جو کمزور ہو، اسے دباؤ رہو، جو آنکھیں دکھائے، اس کے تلوے چائے لگو۔ اس طرح کے گھناؤنے جرائم صرف خوف کی وجہ سے ہی پنپ رہے ہیں۔

اس نے کامران سے ساری بات کی۔ وہ سبحان کا بہت اچھا دوست تو تھا، حیان سے بھی اچھی دعا سلام تھی اور اب تو معاملہ ہی ایسا تھا کہ مدد ضروری تھی۔ اس نے فوراً ہائی بھر لی۔

کچھ دیر کے بعد اس کے بڑے بھائی گھر آئے، ان کے سامنے بھی ساری بات رکھی گئی۔

”فکر ہی نہ کرو“ میرے دوستوں میں پولیس آفیسر بھی شامل ہیں۔ کیس یوں حل کریں گے کہ احمد صاحب کا نام کہیں نہیں آئے گا۔ ساری بات سن کر انہوں نے تسلی دی تھی۔

تیسرے روز اسے اطلاع ملی کہ واجدہ بیگم کسی خاتون کو زخمی کرنے کے الزام میں حوالات میں بند ہیں۔ جو خاتون فون پر اس سے مخاطب تھی وہ اس کے کیسے قطعی اجنبی تھی۔ پوچھنے پر پتا چلا واجدہ کی خالہ زاد بہن ہیں۔

”آپ کو میرا نمبر کس نے دیا؟“
”واجدہ نے۔ وہ کہتی ہے۔ آپ ہی ہیں جو اس کی مدد کر سکتے ہیں۔“

”کیا ان کے بھائی وغیرہ کوئی نہیں ہیں؟“
”ہیں“ انہیں بھی پولیس والوں نے تھانے میں بٹھا رکھا ہے۔ پتا نہیں مسئلہ کیا ہے جو اتنے بڑے افسر دلچسپی لے رہے ہیں ورنہ چھوٹے موٹے تو ہم پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔“ باتوں کے دوران روانی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

”وہی ویڈیو تصاویر وغیرہ کا مسئلہ ہوگا۔ کسی بڑے آدمی کو ستایا ہوگا آپ لوگوں نے۔“
”تم کیسے جانتے ہو؟“ وہ بری طرح چوکی تھی۔
”لو بھلا میں کیا نہیں جانتا۔“ وہ ہنس پڑا۔
”اس کا مطلب ہے۔ واجدہ تم پر بہت زیادہ اعتماد کرتی ہے۔“

”اچھا میں ذرا مصروف ہوں۔“
”مگر میرا مسئلہ تو بیچ میں ہے۔ واجدہ سے ملو گے کب؟“

”میں واقعی واجدہ کی مدد کر سکتا ہوں مگر کروں گا نہیں۔“ اس نے ریسپور کریڈل پر ڈال دیا۔

جب وہ انکل احمد کے ہاں جانے کی تیاری کر رہا تھا تاکہ ایک لسٹ لے چلی آئی۔

”بھائی! ذرا یہ سودا تو لا دو۔“
”کیسا سودا؟“ اچھی کل ہی تو نمک مرچ ہلدی لے کر آیا ہوں۔“

”یہ وہ والا نہیں ہے۔“ اس نے مسکرا کر لسٹ ہاتھ پر رکھ دی۔

”اوں ہوں ہوں۔“ وہ آئس کریم کا ون لیٹر والا پیک۔ ایک اچھا سا کیک۔ میٹیز اور مینگو اسکوائش کی بوتل۔ ایک لیٹر کوک۔ یہ اسکوائش یا کوک میں سے ایک چیز منگوا لو اور یہ لیٹر میٹر چھوڑو، اتنا کیسے کھاؤ گی۔“

”میں اکیلی تھوڑا کھا رہی ہوں۔ سیلیوں کو گھر پر انوائٹ کیا ہے۔ آپ کو تو پتا نہیں کیا مصروفیات ہیں گھر میں نکلتے ہی نہیں۔ دیکھیے تو میں نے ڈرائنگ روم بالکل چھینچ کر دیا ہے۔“

”سیلیوں کی دعوت کس خوشی میں؟“
”آج تک کبھی بلایا تھا کسی کو گھر پر۔ اب حالات اجازت دیتے ہیں اس لیے بلارہی ہوں۔“
”چلو ٹھیک ہے لا دیتا ہوں مگر میرا حصہ ضرور رکھنا۔“

جب وہ انکل کے ہاں پہنچا۔ لگتا تھا وہ اسی کے منتظر بیٹھے ہیں۔ نیو بھی موجود تھی اسے دیکھتے ہی بولے۔

”صبح سے میں حیران تھا واجدہ آخر بتائے بنا کہاں رہ گئی۔ مجھ سے تو قریبی مارکیٹ تک جانے کا کہہ کر گئی تھی۔ اب کچھ دیر پہلے ایک اے ایس آئی آکر اطلاع دے کر گیا ہے۔ اسے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ سوچ رہا ہوں کس قدر بدنامی ہوگی میری۔ پتا نہیں کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔“

”جی ہاں اتنے سارے گناہوں میں سے پتا نہیں کون سا ہے۔“ وہ نیو کے برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔ وہ بس پہلو بدل کر رہ گئی۔

”اٹھو نیو! ذرا مجھے اچھا سا پانی ہی بنا دو۔“
”ہاں بیٹا! جاؤ کچھ لے کر آؤ۔“

دونوں نے اسے منظر سے ہٹا دیا پھر احمد بولے۔
”میں نے وکیل سے بات کر لی ہے۔ طلاق نامہ تیار ہے مگر ڈرتا ہوں اس کے بعد وہ انتقامی کارروائی کے طور پر کچھ کرنے ڈالے۔“

”ارے کچھ نہیں ہوتا انکل! جب ان لوگوں کو پتا

ہے کہ آپ سے کچھ نہیں ملنے والا تو خود ہی کسی نئے کار کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ بھلا سوچیے آپ کو بدنام کر کے انہیں کیا حاصل ہوگا۔ اتنا اسی ہی بڑھے گی جو خود ان کے لیے نقصان دہ ہے۔“

”ہاں واقعی تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔“
”انکل! میری امی اور دادی آپ کے گھر آنا چاہتی ہیں۔ وہ جان بوجھ کر جھک کر بولا تاکہ انکل کو یہ پچھنے کی زحمت نہ کرنی پڑے کہ وہ کیوں آنا چاہتی ہیں۔“

”ضرور آئیں بیٹا! یہ ان کا اپنا گھر ہے۔ تمہاری دادی اماں تو اکثر مجھے فون کرتی رہتی ہیں۔ بہت نیک اور رک ہیں۔ میں نے ان سے دعا کی ہے کہ وہ بھی کما کر آئیں۔“

”پاس بہت لگی ہے۔ دیکھوں پانی کہاں رہ گیا۔“
”وہ اندھ کر پکن میں آگیا۔ اندازے کے عین مطابق نیو وہاں موجود سپرائٹ ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔“

”منہ میٹھا کرو! تو وہ بات بتاؤں جو تمہاری سب سے بڑی آرزو ہے۔“

”تمہیں کیا پتا میری سب سے بڑی آرزو کیا ہے۔“

”ارے لو بھلا کیا مجھے ہی خبر نہیں کہ مجھ سے ہی آپ کے خواب آباد ہیں۔“

”نوش فہمی۔“ وہ ذرا سا رخ موڑ کر بولی اور پھر فہمی بولی۔

”دیکھا لڑکی! میرا اندازہ کتنا درست تھا۔“ بوتل اس کے ہاتھ سے لے کر پینے لگا اور نیو نے دھڑکتے دل کے ساتھ کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

”کتنا اعتماد ہے اسے خود پر اور غلط بھی تو نہیں اور اسے لوگ ہی شان سے جیتے ہیں اور ہمراہی کے لیے فخر کا امٹ ہوا کرتے ہیں۔ سایہ بننے والے سایہ دینے والے خوش رہنے والے خوشی بانٹنے والے، با اعتماد اور شاندار لوگ۔“

